ماہنامہ

نقوشِ راہ

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

MAY 2021

عید کی مبارکباد

لیکن مستحق کون؟

- ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی
- روس، ترکی اور امریکہ کی بالادستی کی جنگ۔
- غزوہ احد، دروس و نصائح
- اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار۔

فرمان مصطفی ﷺ

عن أنس قال : قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما ـ فقال : قد أبدلكم الله بهما خيرا منهما : يوم الأضحى و يوم الفطر .

ترجمۃ : حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ان کے دو دن مقرر تھے جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے . آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ان دونوں دنوں کو اللہ تعالی تمھارے دو بہتر دنوں سے بدل دیا ہے . عید الأضحی اور عید الفطر سے

سنن ابوداود : 1134، النسائی 1793

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوشِ راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد:04 شمارہ:2

مئی 2021ء، رمضان المبارک/شوال المکرم ۱۴۴۲ھ

فہرست مضامین

اداریہ	اسامہ عظیم فلاحی	04
درسِ قرآن	ابوحمید فارس	05
درسِ حدیث	محمد اکمل حیدر فلاحی	07
عید کی مبارکباد کے اصل حقدار کون لوگ ہیں؟	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	09
ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی	مختار احمد مکی	14
روس، ترکی اور امریکہ کی بالادستی کی جنگ	مسعود ابدالی	17
غزوۂ احد، دروس ونصائح	سفانہ کمال فلاحی	21
اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار	خلیل احمد حامدیؒ	26
عید کا پیغام	مجاہد خان سنبھل	31
تحریک شہیدین کے کارنامے	اسامہ عظیم فلاحی	34
گوشۂ خواتین: صحابیات کا صبر وثبات جنگ احد کے پس منظر میں	ثمرہ یعقوب فلاحی	38
گوشۂ اطفال: پرانے زمانے کی عید	ابوالفیض فلاحی	40
اقبالیات	شیر خالد	42

چیف ایڈیٹر
معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر
اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت
- پرویز نادر
- فیض الرحمٰن
- حذیفہ احمد جاوید
- صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر
پرویز نادر

زرتعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

ماہ رمضان کی آمد مؤمنین کے لیے راحت کا سامان ہوتا ہے۔ بندۂ مومن رب ذوالجلال کی مغفرت اور رحمت کا ہر وقت محتاج ہوتا ہے اور کوئی لمحہ اس سلسلے میں وہ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ رمضان المبارک وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں اللہ کی رحمت اور مغفرت دیگر مہینوں سے بڑھ جاتی ہے۔ رمضان المبارک میں روزوں کے دو مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ تقویٰ اور اللہ کی بڑائی کا اعلان۔ تقویٰ کا تعلق بندۂ مومن کے اندرون سے ہوتا ہے اور پھر اس کا عملی اظہار اللہ کی بڑائی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ تقویٰ کی کیفیت جتنی کمزور ہوگی اللہ کی بڑائی کے اعلان میں اتنی ہی سستی اور کاہلی کا رویہ سامنے آئے گا اور تقوی کی کیفیت جتنی مضبوط ہوگی خدا کی کبریائی کا اظہار اتنی ہی مضبوطی اور قوت کے ساتھ ہوگا۔

تقویٰ اور اللہ کی کبریائی کا اعلان انبیاء کی دعوت کا بنیادی اور مرکزی نکتہ ہے۔ امت مسلمہ انبیاء کی وارث ہے، ان کے مشن کی امین و پاسبان ہے، اس امانت کی ادائیگی کے لیے تقویٰ سب سے بڑی طاقت بن کر سامنے آتا ہے۔ چونکہ اس مشن کی ادائیگی انتہائی پُرخطر اور جان گسل ہے، قدم قدم پر اس راہ میں نفسانی خواہشات کو کچلنا پڑتا ہے، مصائب و آلام پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے، دنیا کی محبت کو کھرچ کر نکالنا پڑتا ہے اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ایک خاص مدت کے بعد تقویٰ کے ہتھیار کو بار بار صیقل کیا جائے تاکہ اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعلان سست روی کا شکار نہ ہو۔

اقامت دین کے حامل حضرات رمضان المبارک کا استقبال اسی پس منظر میں کرتے ہیں۔ اس ماہ کی آمد کا انتظار انہیں مہینوں سے بے چین کئے رہتا ہے۔ اس کے لیے خصوصی دعائیں کی جاتی ہیں اور پھر اس سے بھر پور استفادہ کا منصوبہ بنتا ہے اور ایک ایک لمحہ منصوبہ کے مطابق گذارنے کی کوشش ہوتی ہے۔

رمضان المبارک کے اختتام پر بندۂ مومن کے لیے سب سے اہم چیز احتساب ہوتی ہے۔ رمضان کے اختتام پر جہاں وہ اللہ رب العزت کی خدمت میں سجدۂ شکر بجالاتا ہے تو وہیں بہت سختی کے ساتھ احتساب بھی کرتا ہے کہ رمضان سے اس نے مطلوبہ فائدہ اٹھایا کہ نہیں۔ وہ تقوی کے اس معیار کے قریب سے قریب تر ہوا کہ نہیں کہ جس کے بعد اللہ تعالیٰ حق و باطل میں تفریق کی صلاحیت اس کے اندر پیدا کر دیتا ہے، وقت کے فتنوں اور جاہلی افکار و نظریات کو اسلام سے الگ کرنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ شیطانی اور دجالی طاقتوں کے پھیلائے ہوئے جالوں کو تار تار کر کے انسانوں کو درست راہ دکھانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔

اس وقت فتنوں کے سیلاب میں بندۂ مومن کے لیے تقویٰ کے ہتھیار کی تیزی کی سخت ضرورت ہے۔ زمانے کے فتنے امت مسلمہ کو اپنا شکار بنانے کے لیے ہر محاذ سے حملہ آور ہیں۔ حق و باطل کی کشمکش اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ کھرے اور کھوٹوں میں تفریق کی رفتار تیز ہو چلی ہے۔ ایسے وقت میں تقویٰ کی آبیاری بھی کرنی ہے اور خدا کی کبریائی کا اعلان بھی۔ ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے رمضان کی ابتداء میں منصوبہ بندی جس طرح ضروری ہے اسی طرح سے رمضان کے اختتام پر احتساب بھی لازمی ہے، کیونکہ احتساب زندگی کی علامت اور کامیابی کا انتہائی اہم زینہ ہوتا ہے۔ اس وقت امت میں باشعور سمجھے جانے والے طبقے کی اکثریت کے رخ کا تعین حالات کر رہے ہیں جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ خود حالات کے رخ کا تعین کرتے۔ باطل جو ہمارے سروں پر دندنا رہا ہے اس کو چیلنج دیتے لیکن شعوری یا غیر شعوری طور پر انکا طرز عمل باطل کے موقف کی مضبوطی کا سبب بن جاتا ہے، اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ امت کا سربراہ آوردہ طبقہ تقوی کی مطلوبہ صفت سے دور ہو رہا ہے اور حالات کے جبر میں اسے راہ نظر نہیں آرہی ہے۔ ایسے حالات میں تقوی کی آبیاری اور رمضان کے اختتام پر اپنا احتساب کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔

(اسامہ عظیم فلاحی)

☼☼☼

درسِ قرآن

ابوحمید فارس

اہل ایمان
کے تئیں
اہل کتاب اور مشرکین کا رویہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (آل عمران :۱۸۶)

ترجمہ: ’’مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آ کر رہیں گی، اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔‘‘

پس منظر: ہجرت سے قبل اہل ایمان مشرکین مکہ کی کھلی دشمنی کا شکار تھے لیکن ہجرت مدینہ کے بعد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا رویہ بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ حامل کتاب ہونے کے باوجود اہل ایمان سے دشمنی نکالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا جس کے بعد اسلام دشمن تینوں گروہوں کی مسلمانوں کے تئیں دشمنانہ حرکتیں مزید کھل کر سامنے آ گئی تھیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو چند حقیقتوں سے روشناس کراتا ہے۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جن کا جاننا ان تمام اسلامی جماعتوں کے لیے ضروری ہے جو غلبہ دین کی جدو جہد میں مصروف ہیں۔

❁ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی اہل اسلام کے تئیں دشمنی کی بنیادی وجہ ان کا دین و ایمان اور خدائی فضل ہے۔ سورہ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے:

’’اہل کتاب، کفار و مشرکین بالکل نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی جانب سے تم پر کوئی خیر (وحی) نازل ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اپنی رحمت کو خاص کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا افضل فرمانے والا ہے۔‘‘

دراصل اہل اسلام پر خدا کا فضل ہی ہے جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی دشمنی کی جڑ ہے جو مختلف مشکلوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے دشمنانہ رویہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قرآن میں اہل ایمان کو ان سے محتاط رہنے کے لیے مختلف ہدایات دیتا ہے۔

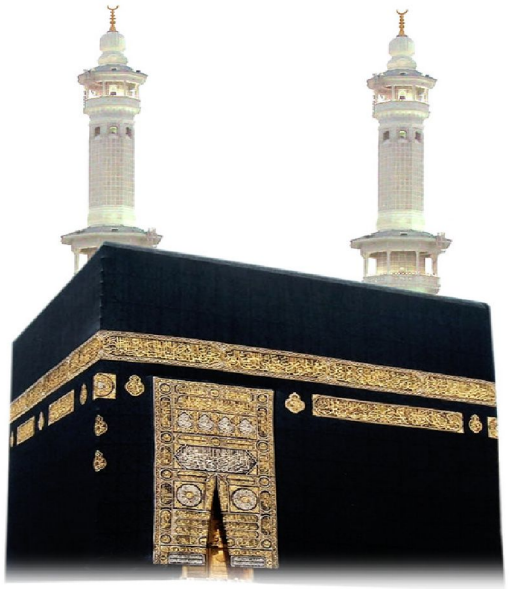

● اے اہل ایمان! کفار کو اپنے مؤمن بھائیوں کے مقابلے میں دوست نہ بناؤ۔ (سورہ آل عمران۔ ۲۸)

● اے اہل ایمان! ان کفار و مشرکین کو اپنا ہمراز نہ بناؤ، کیوں کہ وہ اہل ایمان کی تباہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑنے والے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم مصیبت

میں پڑ جاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ شدید تر ہے۔ (سورہ آل عمران۔ ۱۱۷)

● اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو ان سے دوستی گانٹھے گا وہ انہیں میں شمار کیا جائے گا۔ (سورۃ المائدہ۔ ۵۱)

● اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کرو، کیوں کہ وہ حق کا انکار کر چکے ہیں۔ (سورۃ الممتحنہ۔ ۱)

مذکورہ بالا خدائی ہدایات کی روشنی میں ہم بخوبی جان سکتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی اہل ایمان کے سلسلے میں نفسیات کیا ہے اور ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید کیوں کی جارہی ہے۔

❁ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اہل ایمان سے دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ جانی، مالی اور فکری ہر طرح اور ہر سطح پر نقصان پہنچانے سے باز نہیں آئیں گے۔ ان کی ساری کوششوں کا مقصد اہل ایمان کو ان کے دین سے دور کرنا ہوتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

● مشرکین اپنی استطاعت کے مطابق اس وقت تک تم سے جنگ کرتے رہیں گے جب تک کہ تم کو دین سے پھیر نہ دیں۔ (سورۃ البقرہ۔ ۲۱۷)

● اگر یہ مشرکین تم پر غلبہ حاصل کرلیں تو تمہارے دشمن بن جائیں گے اور برائی کے مقصد سے اپنے ہاتھ اور زبانیں دراز کریں گے اور ان کی خواہش ہوگی کہ تم بھی کافر بن جاؤ۔ (سورۃ الممتحنہ۔ ۲)

❁ عملی طور پر تاریخی مشاہدہ رہا ہے کہ کفار و مشرکین نے دنیا کے جس گوشے میں بھی غلبہ حاصل کیا ہے وہاں کے باشندوں کو خصوصاً مسلمانوں کو جبراً دین سے پھیرنے کی کوشش کی گئی۔ جو لوگ دین سے پھر گئے انہیں امان ملی اور جو لوگ نہیں پھرے انہیں جان گنوانی پڑی۔ اندلس اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔

❁ اہل ایمان کو یہ حقیقت بتائی جارہی ہے کہ کفار و مشرکین کی طرف سے جان و مال کی آزمائش کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ یہ تکلیف دہ باتیں تاریخ کے ہر دور میں اہل ایمان کو سننی پڑی ہیں۔ وقت کے انبیاء کو فسادی کہا گیا، مجنوں اور پاگل قرار دیا گیا، جادوگر کہا گیا وغیرہ۔ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ آج کے دور کی سب سے بڑی گالی دہشت گردی کا لیبل اسلام اور مسلمانوں پر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ لگایا گیا۔ ان کے محبوب نبی ﷺ اور ان کے اصحاب پر گندے تبصرے بڑھتے جارہے ہیں۔ ان تبصروں کو دانشوری کا لبادہ اوڑھا کر جواز بخشنے کی کچھ لوگ کوشش بھی کرتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل ایمان اس طرح کے مواقع پر کیا موقف اختیار کریں؟ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب واضح انداز میں دے دیا ہے اور وہ ہے صبر اور تقویٰ۔

یہاں پر صبر اور تقویٰ کا وسیع مفہوم ذہن میں رہنا بہت ضروری ہے ورنہ بہت خراب تصویر ابھر کر سامنے آئے گی۔

❁ سید قطب شہیدؒ صبر کا وسیع مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صبر اس دعوت کے لئے زاد راہ ہے! یہ طویل اور پر مشقت ہے! گھاٹیوں اور کانٹوں سے پر ہے! لاشوں اور خون کی ندیوں سے پٹی ہوئی ہے! اس میں قدم قدم پر اذیتیں اور آزمائشیں ہیں! صبر بہت سی اشیاء کے سلسلے میں ہوتا ہے! نفس کے مرغوبات کے خلاف صبر! مفادات دنیا کے خلاف صبر! نفس کے ضعف، نقائص، جلد بازی اور جلد اکتا جانے کے خلاف صبر! لوگوں کی خواہشات، ان کے نقائص، ان کے ضعف، جہل، غلط افکار، طبیعتوں کے بگاڑ، خود غرضی، غرور، کجی اور نتیجہ نکلنے کے سلسلے میں ان کی جلد بازی کے خلاف صبر! باطل کی شیخی، طغیان کی بے حیائی، شر کے پھیل جانے، شہوت کے غلبہ اور غرور و تکبر کی اتراہٹ کے خلاف صبر! معاونین کی قلت، مددگاروں کی کمزوری، راستے کی درازی اور درد و کرب اور تنگی کے اوقات میں شیطان کے وساوس کے خلاف صبر! ان تمام امور کے لئے جدوجہد کی تلخی کے خلاف صبر! اس جدوجہد کے دوران نفس انسانی میں پیدا ہونے والے رنج و الم غیظ و غضب اور دل کی تنگی کے مختلف و متنوع احساسات و تاثرات کے خلاف صبر! خیر پر اعتماد کی کمزوری، انسانی فطرت سے امید کی کمی اور اکتاہٹ اور مایوسی و ناامیدی کے خلاف صبر! اور اس سب کے بعد طاقت، فتح و نصرت اور غلبہ کے وقت ضبط نفس پر صبر! نیز خوشحالی اور بدحالی، دونوں حالتوں میں اللہ سے تعلق، اس کی مشیت اور تقدیر کے لئے خود سپردگی اور تمام معاملات کو طمانینت، اعتماد اور خشوع کے ساتھ اللہ کے حوالے کر دینا- ان سب امور کے سلسلے میں صبر!

❁ یہاں آیت میں تقویٰ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے حملوں کا جواب دیتے ہوئے خدائی ہدایات اور حدود سے تجاوز نہ کیا جائے بلکہ ہر موقع پر حدود کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ان کے مقابلے میں نفسانیت غالب نہیں آنی چاہئے۔

❁ صبر اور تقویٰ کی راہ عزیمت کی راہ ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو صبر اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہو کر عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید پر غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☼☼☼

محمد اکمل حیدر فلاحی

درس حدیث

عن أبی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: إياكم والظنّ فإنّ الظن أكذبُ الحديث ولا تَحَسَّسُوا ولا تَجَسَّسُوا ولا تَنَاجَشُوا ولا تَحَاسَدُوا ولا تباغَضُوا ولا تَدابَرُوا وكونوا عبادَ الله إخوانًا (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ تم کسی کی کمزوریوں کے ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض وکینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری ومسلم)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ پوری دنیا میں جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ اسلامی رشتے کی بنیاد پر مسلمانوں کا بھائی ہوجاتا ہے، چاہے اس کا تعلق کسی نسل یا قوم سے ہو، وہ کالا ہو یا گورا، بنگلہ زبان بولتا ہو یا اردو، امریکہ میں رہتا ہو یا چین میں۔ پوری دنیا کے مسلمانوں کی حیثیت ایک قوم کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ ہے کہ دنیا کے سارے مسلمان آپس میں متحد ہو کر رہیں اور ایک دوسرے سے محبت رکھیں، ایک مسلمان پر ظلم ہو تو دنیا کے سارے مسلمان اس کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ مسلمانوں کے اپنی اتحاد اور محبت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے ان تمام چھوٹی بڑی برائیوں سے مسلمانوں کو روک دیا گیا ہے جس سے دو بھائی، گھر، خاندان، معاشرہ، ملک اور بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے درمیان نفرت اور انتشار کا باعث ہوسکتا ہو۔

درج بالا حدیث میں ان ہی برائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے ایک خطرناک برائی ''بدگمانی'' ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''یا أیھا الذین آمنو اجتنبوا کثیرا من الظن، ان بعض الظن اثم''

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیوں کہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں (سورۃ الحجرات)

حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا'' کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے''

بدگمانی ایک ایسی برائی ہے کہ یہیں سے دو بھائیوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کا آغاز ہوجاتا ہے اور پھر بہت ساری برائیاں جنم لینے لگتی ہیں، ٹوہ میں پڑنا، غیبت کرنا، ذلیل و رسوا کرنا اور چغل خوری کرنا وغیرہ۔ ایک انسان معاشرے کی خیر خواہی کے بہت سے اچھے کام کرتا ہے لیکن جیسے ہی یہ برائی اس کے اندر پیدا ہوتی ہے تو پھر اس کی ساری صلاحیتیں اپنے بھائی کو نیچا دکھانے اور اس کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے صرف ہونے لگتی ہیں، اگر یہ برائی کسی فرد میں پیدا ہوجائے تو وہ فرد برباد ہوجاتا ہے اور اگر کسی جماعت، تنظیم یا معاشرہ میں پیدا ہوجائے تو وہ بے روح اور

بے جان ہو جاتا ہے۔

بدگمانی کے متعلق مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے۔ جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو، اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو، اس کے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی اَن ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردِّ عمل ہوتا ہے اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں اور تعلقات ہمیشہ کے لیے خراب ہو جاتے ہیں۔''

(معارف الحدیث ج دوم ص ۱۳۷)

بدگمانی کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''بدگمانی کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے سوا ہر ایک کے متعلق یہ ابتدائی مفروضہ قائم کرتا ہے کہ وہ ضرور برا ہے اور بظاہر اس کی ہر چیز قابل اعتراض نظر آتی ہے، اس کی کوئی اچھی توجیہ کرنے کے بجائے بری توجیہ کرتا ہے اور تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا، تجسس اسی بدگمانی کا ایک شاخسانہ ہے۔ آدمی دوسروں کے متعلق پہلے ایک بری رائے قائم کرتا ہے پھر اس کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ان کے حالات کی ٹوہ لگانی شروع کرتا ہے۔''

(تحریک اسلامی کامیابی کے شرائط ص ۳۶)

بدگمانی کو اللہ کے رسولؐ نے ''اکذب الحدیث'' یعنی سب سے بڑی جھوٹی بات کہا ہے اور جھوٹ بولنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ مومن سب کچھ کر سکتا ہے لیکن جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس سے اس برائی کی شناعت و قباحت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں حسن ظن کو بہترین عبادت قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''حسن الظن من حسن العبادۃ'' بہترین گمان بہترین عبادت ہے۔ لہٰذا کسی فرد کے متعلق ہمیں بدگمانی کے بجائے حسن ظن سے کام لینا چاہیے تاکہ ہم اس برائی کے برے نتائج اور برے انجام سے بچ سکیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس قبیح ترین برائی سے محفوظ رکھے۔ آمین

☼☼☼

دار الحرب میں قیام کا مقصد

تیرہ صدیوں تک مسلمان کسی ایسے اسلام سے واقف نہ تھے جو حاکمیت شریعت خداوندی کے بغیر بھی پایا جا سکتا ہو۔ اس کے بغیر آدمی مسلمان ہو، اس کا تصور ہی نہ تھا۔ سرزمین اسلام میں بالفعل شریعت کا راج ہونا اس مسئلہ کو ایک ہیبت عطا کرتا تھا، اور لوگوں کو یہ تصور کرنا واقعتاً مشکل تھا کہ شریعت خداوندی کے بغیر اسلام اور مسلمان کی کوئی قسم پائی جا سکتی ہے! عام مسلمان کے تصور میں یہ دو چیزیں تو ضرور ایسی تھیں جو مسلم اور کافر کے مابین عملی فرق کروا دیں: نماز اور شریعت خداوندی۔ عامی سے عامی شخص بھی جس عملی نشانی سے مسلم اور کافر کا فرق کرتا ہے، مسلم اور کافر کو الگ پہچانتا ہے، وہ یہی دو چیزیں ہیں: مسلمان نماز پڑھتا ہے، دن میں پانچ بار خدا کو سجدہ کرتا ہے، کافر نماز نہیں پڑھتا، خدا کو سجدہ نہیں کرتا۔ مسلمان کا دستور شریعت ہے اور کافر کا دستور شریعت نہیں ہے۔ یہ ایک عام سے عام مسلمان کا حال ہے جو آپ کو مسلم اور کافر کا یہ فرق بڑے آرام سے بتا سکتا تھا، اور تیرہ صدیوں تک معاملہ ایسا ہی رہا۔ مگر عالم اسلام پر صلیبی قبضہ کو کچھ ہی دیر گزری ہوگی، اور اب آپ اس عامی سے پوچھ کر دیکھیے مسلمان اور کافر میں کیا فرق؟ عامی کی کیا بات، یہاں کے دانشور سے پوچھ لیجیے کہ وہ آپ کو کافر اور مسلم میں کوئی موٹا سا عملی فرق بتا دے، آپ دیکھیں گے تصورات کی دنیا میں معاملہ سر تا پیر الٹ گیا ہے۔ شریعت غائب، مسلمان بغیر اسلام حاضر ہے، اور آپ کو اسے تسلیم کرنا ہے! مسلم معاشرے ہوں اور شریعت نہ ہو، تیرہ صدیوں تک کوئی آپ کو یہ پہیلی بوجھ کر نہ دے سکتا تھا! شریعت کو ہٹا کر اور اس کی جگہ پوری کی پوری غیر اسلامی شریعت کو لا کر دھر دیا جائے، اور اس سے اسلام اور ایمان کو کچھ فرق نہ آئے، یہ بات کسے سمجھ آ سکتی تھی؟ شریعت کو معاذ اللہ ردی میں پھینک دیا جانے کا تصور آدمی کر سکتا تھا تو وہ یہ کہ خدانخواستہ کسی ملک پر صلیبیوں وغیرہ کا قبضہ ہو جائے۔ مگر یہ کام مسلمان کے ہاتھ سے بھی ہو سکتا ہے، یہ کسی کے وہم و گمان میں کیسے آ سکتا تھا؟

(محمد قطب)

عید

کی مبارکباد کے اصل حقدار کون لوگ ہیں؟

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

عید کی مبارکباد کے حقیقی مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے رمضان المبارک میں روزے رکھے، قرآن مجید کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی فکر کی ،اس کو پڑھا، سمجھا، اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور تقویٰ کی اُس تربیت کا فائدہ اٹھایا جو رمضان المبارک ایک مومن کو دیتا ہے۔

قرآن مجید میں رمضان کے روزوں کی دو ہی مصلحتیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ ان سے مسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ ”کُتِبَ عَلَیکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ“ ”تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔“ دوسری یہ کہ مسلمان اس نعمت کا شکر ادا کریں جو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں قرآن مجید نازل کر کے ان کو عطا کی ہے ”لِتُکَبِّرُوْا اللہ عَلیٰ مَا ھَدٰکُمْ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ“ ”تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اس ہدایت پر جو اس نے تمہیں دی ہے۔“

دنیا میں اللہ جل شانہ کی سب سے بڑی نعمت نوعِ انسانی پر اگر کوئی ہے تو وہ قرآن مجید کو نازل کرنا ہے۔ تمام نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے اس لیے کہ رزق اور اس کے جتنے ذرائع ہیں، مثلاً یہ ہوا اور یہ پانی اور یہ غلّے اور اسی طرح معیشت کے جو ذرائع ہیں جن سے انسان اپنے لیے روزی کماتا ہے، مکان بناتا ہے، کپڑے فراہم کرتا ہے یہ ساری چیزیں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہیں، لیکن یہ فضل و احسان اور اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں محض انسان کے جسم کے لیے ہیں۔ قرآن مجید وہ نعمت ہے جو انسان کی روح کے لیے، اخلاق کے لیے اور درحقیقت اس کی اصل انسانیت کے لیے نعمت عظمیٰ ہے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں صحیح طور پر بجا لا سکتا ہے جب کہ وہ اس کے دیئے ہوئے رزق پر بھی شکر ادا کرے اور اس کی دی ہوئی اس نعمت ہدایت کے لیے بھی شکر ادا کرے جو قرآن کی شکل میں اس کو دی گئی ہے۔ اس کا شکر ادا کرنے کی یہ صورت نہیں ہے کہ آپ بس زبان سے شکر ادا کریں اور کہیں کہ اللہ تیرا شکر کہ تو نے قرآن ہمیں دیا ، بلکہ اس کے شکر کی صحیح صورت یہ ہے کہ آپ قرآن کو سرچشمۂ ہدایت سمجھیں، دل سے اس کو رہنمائی کا اصل مرجع

مانیں اور عملاً اس کی رہنمائی کا فائدہ اٹھائیں۔

قرآن مجید آپ کو اپنی ذاتی زندگی کے متعلق ہدایت کرتا ہے کہ آپ کس طرح سے ایک پاکیزہ زندگی بسر کریں۔ وہ آپ کو ان چیزوں سے منع کرتا ہے جو آپ کی شخصیت کی نشو ونما کے لیے نقصاندہ ہیں۔ وہ آپ کو وہ چیزیں بتاتا ہے جن پر عمل کریں تو آپ کی شخصیت صحیح طور پر نشو ونما پائے گی اور آپ ایک اچھے انسان بن سکیں گے، وہ آپ کی اجتماعی زندگی کے متعلق بھی مفصل ہدایات آپ کو دیتا ہے، آپ کی معاشرتی زندگی کیسی ہو۔ آپ کے گھر کی زندگی کیسی ہو۔ آپ کے تمدن اور آپ کی تہذیب کا نقشہ کیا ہو۔ آپ کی ریاست کن طریقوں پر چلے، آپ کا قانون کیا ہو، آپ کی معاشرتی زندگی کا نظام کیسا ہو، کن طریقوں سے آپ اپنی روزی حاصل کریں کن راہوں میں آپ اپنی کمائی ہوئی دولت کو خرچ کریں اور کن راہوں میں نہ کریں۔ آپ کا تعلق اپنے خدا کے ساتھ کیسا ہو۔ آپ کا تعلق خدا کے بندوں کے ساتھ کیسا ہو، اپنی بیوی کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ، اپنے والدین کے ساتھ، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے معاشرے کے افراد کے ساتھ اور دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ، حتیٰ کہ جمادات اور حیوانات کے ساتھ اور خدا کی دی ہوئی تمام مختلف نعمتوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیئے۔ زندگی کے ان سارے معاملات کے لیے قرآن مجید آپ کو واضح ہدایات دیتا ہے۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس کو اصل سرچشمۂ ہدایت مانے، رہنمائی کے لیے اس کی طرف رجوع کرے، اُن احکامات و ہدایات اور ان اصولوں کو صحیح تسلیم کرے جو وہ دے رہا ہے اور ان کے خلاف جو چیز بھی ہو اُس کو رد کر دے خواہ وہ کہیں سے ہو رہی ہو، اگر کسی شخص نے اس رمضان المبارک کے زمانے میں قرآن کو اس نظر سے دیکھا اور سمجھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس کی تعلیم و ہدایت کو زیادہ سے زیادہ اپنی سیرت و کردار میں جذب کرے تو اس نے واقعی اس نعمت پر اللہ کا صحیح شکر ادا کیا۔ وہ حقیقت میں اس مبارکباد کا مستحق ہے کہ رمضان المبارک کا ایک حق جو اس پر تھا اس نے ٹھیک ٹھیک ادا کر دیا۔

رمضان المبارک کے روزوں کا دوسرا مقصد جس کے لیے وہ آپ پر فرض کئے گئے ہیں یہ ہے کہ آپ کے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ آپ اگر روزے کی حقیقت پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ کارگر ذریعہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ روزہ مسلسل ایک مہینے تک آپ کو اسی چیز کی مشق کراتا ہے جو چیزیں آپ کی زندگی میں عام طور پر حلال ہیں وہ بھی اللہ کے حکم سے روزے میں حرام ہوتی ہیں اور اس وقت تک حرام رہتی ہیں جب تک اللہ ہی کے حکم سے وہ حلال نہ ہو جائیں۔ پانی جیسی چیز جو ہر حال میں حلال و طیب ہے، روزے میں جب اللہ نے حکم دیا ہے کہ یہ اب تمہارے لیے حرام ہے تو آپ اس کا ایک قطرہ تک حلق سے نہیں اتار سکتے خواہ پیاس سے آپ کا حلق چٹخنے ہی کیوں نہ لگے۔ البتہ جب اللہ پینے کی اجازت دے دیتا ہے تو اُس وقت آپ اس کی طرف اس طرح لپکتے ہیں گویا کسی نے آپ کو باندھ رکھا تھا اور آپ ابھی کھولے گئے ہیں۔ ایک مہینے تک روزانہ یہ باندھنے اور کھولنے کا عمل اسی لیے کیا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پوری بندگی و اطاعت کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس جس چیز سے وہ آپ کو روکتا ہے اس سے رکنے کی اور جس جس چیز کا وہ آپ کو حکم دیتا ہے اسکو بجالانے کی آپ کو عادت ہو جائے۔ آپ اپنے نفس پر اتنا قابو پالیں کہ وہ اپنے بے جا مطالبات اللہ کے قانون کے خلاف آپ سے نہ منوا سکے۔ یہ غرض ہے جس کے لیے روزے آپ پر فرض کئے گئے ہیں۔

اگر کسی شخص نے رمضان کے زمانے میں روزے کی اس کیفیت کو اپنے اندر جذب کیا ہے تو وہ حقیقت میں مبارکباد کا مستحق ہے اور اس سے زیادہ مبارکباد کا مستحق وہ شخص ہے جو مہینہ بھر کی اس تربیت کے بعد عید کی پہلی ساعت ہی میں اسے اپنے اندر سے اُگل کر پھینک نہ دے بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ آپ غور کیجئے اگر ایک شخص اچھی سے اچھی غذا کھائے جو انسان کے لیے نہایت قوت بخش ہو، مگر کھانے سے فارغ ہوتے ہی حلق میں انگلی ڈال کر اس کو فوراً اُگل دے تو اس غذا کا کوئی فائدہ اسے حاصل نہ ہوگا کیوں کہ اس نے ہضم ہونے اور خون بنانے کا اسے کوئی موقع نہ دیا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص غذا کھا کر اسے ہضم کرے اور اس سے خون بن کر اس کے جسم

میں دوڑے تو یہ کھانے کا اصل فائدہ ہے جو اس نے حاصل کیا۔ کم درجے کے مقوی غذا کھا کر اُسے جزو بدن بنانا اس سے بہتر ہے کہ بہترین غذا کھانے کے بعد استفراغ کر دیا جائے۔ ایسا ہی معاملہ رمضان کے روزوں کا بھی ہے ان کا حقیقی فائدہ آپ اسی طرح اٹھا سکتے ہیں کہ ایک مہینے تک جو اخلاقی تربیت ان روزوں نے آپ کو دی ہے عید کے بعد آپ ان کو نکال کر اپنے اندر سے پھینک نہ دیں بلکہ گیارہ مہینے اس کے اثرات کو اپنی زندگی میں کام کرنے کا موقع دیں۔ یہ فائدہ اگر کسی شخص نے اس رمضان سے حاصل کر لیا تو وہ واقعی پوری پوری مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت پالی۔

ہمارے اندر بدقسمتی سے ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جو رمضان کے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ رمضان آتا ہے اور گزر جاتا ہے مگر ان کے گھروں میں یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ یہاں کچھ مسلمان بستے ہیں جن کے لیے یہ مہینہ کوئی خاص معنی رکھتا ہے، روزہ رکھنا تو درکنار اس کا احترام کرنے کی توفیق بھی ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ رمضان کے زمانے میں وہ اس طرح اطمینان سے کھاتے اور پیتے ہیں جیسے کوئی عیسائی یا ہندو یا سکھ کھاتا پیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں ان کی مثال اس بنجر زمین کی سی ہے جس کے اندر بارش کا موسم آنے پر بھی جب کہ ہر طرف سبزہ زار پھیلا ہوتا ہے اور کھیتیاں پھلتی اور پھولتی ہیں، گھاس کا ایک تنکا تک پیدا نہیں ہوتا۔ بارش کا زمانہ جس طرح زمین کے لیے روئیدگی کا موسم ہے، ٹھیک اسی طرح رمضان المبارک روحِ اسلام کے لیے بالیدگی کا موسم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم اس شکل میں دیا ہوتا کہ مسلمانوں میں سے ہر شخص جب چاہے روزے رکھ کر تیس روزوں کی تعداد پوری کر لیا کرے تو ہماری دینی زندگی میں یہ موسم کی سی کیفیت کبھی پیدا نہ ہو سکتی تھی لیکن اس حکیم مطلق نے حکم اس شکل میں دیا کہ تمام مسلمان ایک ہی مہینے میں ایک ساتھ روزے رکھیں۔ اسی چیز نے موسم کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ موسم جب آتا ہے تو اعلیٰ درجے کی زرخیز زمینوں کو چھوڑیئے، جس زمین میں کچھ بھی روئیدگی کی صلاحیت ہوتی ہے اس کے اندر سے بھی سبزی کی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں کیوں کہ موسم کی برکت یہی ہے کہ روئیدگی کی ادنیٰ سے ادنیٰ صلاحیت رکھنے والی زمین بھی اس کے فیض سے محروم نہیں رہتی اور جو زمین موسم آنے پر بھی ایک کونپل تک نہ نکالے اس کی یہ کیفیت اس بات کی صریح علامت ہوتی ہے کہ وہ قوتِ نمو سے بالکل خالی ہے۔ اس طرح رمضان ایک ایسا زمانہ ہے کہ جس مسلمان کے اندر ایمان کی ایک رمق اور اسلام کا کوئی ذرہ برابر بھی جذبہ موجود ہو وہ گیارہ مہینے خواہ کیسا ہی بے حس رہا ہو اس مہینے کے آتے ہی اس کے اندر کا سویا ہوا ایمان کروٹیں لینے لگتا ہے۔ ایک مہینے تک تمام مسلمانوں کا بیک وقت سحری کے لیے اٹھنا، سب کا ایک ساتھ دن بھر روزے رکھنا، ایک ہی وقت میں سب کا افطار کرنا اور راتوں کو جگہ جگہ تراویح پڑھنا، مسلمانوں کی بستیوں میں ایک زبردست اجتماعی ماحول پیدا کر دیتا ہے جس کی برکت سے مسجدیں بھر جاتی ہیں، ہر طرف تلاوت قرآن پاک کا چرچا ہونے لگتا ہے، وہ لوگ بھی نمازیں پڑھنے لگتے ہیں جو دوسرے دنوں میں نماز کے پابند نہیں ہوتے، اور وہ لوگ بھی روزے رکھنے لگتے ہیں جن کے اندر دوسرے دنوں میں دین سے کوئی خاص لگاؤ نہیں پایا جاتا۔ اس ماحول میں بھی اگر کوئی شخص بالکل غیر متاثر رہتا ہے، خدا کی طرف کوئی رجوع اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ نماز، روزے اور تلاوت قرآن کے لیے کوئی رغبت اس کے دل میں نہیں ابھرتی، تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس کا دل جذبۂ ایمانی سے قطعاً خالی ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہا ہے۔ خدا اور اس کے دین کے ساتھ اور مسلمانوں کی ملت کے ساتھ جتنے روابط ہو سکتے تھے، ان سب کو اس نے کاٹ پھینکا ہے۔ اس کے بعد آپ کیا بھروسہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی مسلمانوں کے اندر پیدا ہو کر، مسلمانوں کی ملت میں آنکھیں کھول کر، مسلمان معاشرے کا ایک جزء ہو کر، اس قوم کے دین اور اس کے نظامِ حیات ہی سے اپنے مقدس ترین تعلقات اور روابط کو اس طرح کاٹ سکتا ہے، وہ کل اس قوم کے ساتھ کوئی غداری اور خیانت نہ کر بیٹھے گا، ظاہر بات ہے کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کی بندگی ہی میں تو یہ طرز عمل اختیار کر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اس

کی خواہشات اس سے یہ کچھ کرا سکتی ہیں تو کل یہی خواہشات اس سے اور کیا کچھ نہ کرا سکیں گی۔

حضرات! ہمیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ یہ صورت حال ہمارے ہاں آخر کیوں پیدا ہوئی ہے۔ اگر چند آدمی ہی اس میں مبتلا ہوتے تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ مگر یہاں تو ہزاروں، لاکھوں آدمی ہمارے اندر ایسے موجود ہیں جو اعلانیہ اور فخریہ رمضان میں کھاتے پیتے رہتے ہیں اور الٹا روزہ داروں کو شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ فی الواقع بڑی تشویش کی بات ہے اور ہمیں اس کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ صورتحال دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ہم نے ایک مدت سے اس بات کی پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے کہ ہمارے اندر جو اصلاحِ عظیم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب نے کی تھی وہ ہمارے معاشرے میں باقی رہتی ہے یا ضائع ہو جاتی ہے۔ ہمیں اپنی قوم کی دنیا بنانے کی تو بڑی فکر رہی ہے اور اس کے لیے ہم بڑی تگ و دو کرتے رہے ہیں، مگر اس عظیم الشان اخلاقی و روحانی اصلاح اور اس زبردست دینی نظام کو برقرار رکھنے کی کوئی فکر ہمیں نہیں رہی جس پر ہماری ملت کے معاشرے کو قائم کیا گیا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس ہمارے ہاں بڑے پیمانے پر تعلیم و تربیت اور قانون و ضابطہ کا وہ نظام کارفرما رہا ہے جو اس ڈھانچے کو منہدم کرنے والا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے عظیم ترین مقدمات کے پامال ہونے کی ہمارے با اثر طبقے اتنی پرواہ نہیں کرتے جتنی اپنی پتلون کی شکن خراب ہو جانے کی کرتے ہیں۔

لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

حضرات! انسان کی اصلاح ایک بڑا مشکل کام ہے، اس کو بگاڑنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، اصلاح کوئی ہو تو سالہا سال کی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے ہوتی ہے۔ بگاڑنا ہو تو اس کے لیے کوئی خاص محنت و کوشش درکار نہیں ہوتی۔ بسا اوقات صرف سعی اصلاح سے غفلت ہی اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ آپ ایک بچے ہی کی مثال لے لیجئے۔ اس کو آپ ایک اچھا اور پاکیزہ انسان بنانا چاہیں تو آپ کو برسوں اپنی جان کھپانی پڑے گی تب کہیں اس کے ذہن اور عادات اور خصائل کو آپ سنوار سکیں گے۔ لیکن اگر آپ چاہیں گے کہ وہ بگڑے تو اس کے لیے کسی خاص کوشش کی حاجت نہیں ہے۔ صرف رسی ڈھیلی چھوڑ دینا کافی ہے۔ معاشرے میں ہر طرح کے لچوں، لفنگوں کے ساتھ چل پھر کر وہ خود بگڑ جائے گا۔ محنت اور کوشش کی ضرورت ترقی کے لیے ہوتی ہے نہ کہ تنزلی کے لیے۔ آپ کسی گاڑی کو بلندی پر لے جانا چاہیں تو بڑی طاقت صرف کئے بغیر وہ اس پر نہ چڑھ سکے گی۔ نشیب کی طرف جانا چاہیں تو صرف بریک ڈھیلا چھوڑ دیجئے، گاڑی خود لڑھکے گی اور جہاں تک نشیب ملے گا لڑھکتی چلی جائے گی۔ ایسا ہی معاملہ انسانی معاشرے کا ہے۔ کسی معاشرے کو درست کر کے ایک اعلیٰ درجے کے نظامِ فکر و عمل کا پابند بنانا بڑا محنت طلب کام ہے جس کے لیے صدیوں کوششیں درکار ہوتی ہیں، مگر ان کوششوں کے ثمرات و نتائج کو ضائع کرنے کے لیے صرف اتنی بات بھی کافی ہو سکتی ہے کہ آپ ان کو قائم و برقرار رکھنے کی کوشش چھوڑ دیں اور جو بگاڑ بھی معاشرے میں پھیلتا نظر آئے اس کی پرواہ نہ کریں۔ مسلمانوں میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں وہ کچھ یونہی اتفاقاً نہیں پیدا ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ اور ان کے بعد امت کے صلحاء و اتقیاء اور علماء و فقہا نے صدیوں کی عرق ریزی و جانفشانی سے کروڑوں انسانوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالا۔ اخلاق کی پستیوں سے اٹھایا۔ جاہلیت کی رسموں اور طور طریقوں سے ہٹایا۔ خدائے واحد کی بندگی کے لیے ان کو تیار کیا۔ آخرت کی باز پُرس کا عقیدہ ان کے دلوں میں بٹھایا۔ اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم و تربیت دے کر ایک خاص کیریکٹر ان کے اندر پیدا کیا۔ نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ جیسی پاکیزہ عبادات ان میں رائج کیں اور اسلامی نظامِ تہذیب و تمدن کا ایک مضبوط سانچا تیار کر دیا جس کی بدولت مسلمان ان خوبیوں سے آراستہ ہوئے جو دوسروں کے لیے قابلِ رشک تھیں، یہ جو کچھ صدہا برس کی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے بنا ہے اس کو ہم ضائع اور برباد کرنا چاہیں تو آسانی سے کر سکتے ہیں، لیکن اسے پھر تعمیر کرنا چاہیں تو پھر صدیاں ہی اس کے لیے درکار ہوں گی۔

یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہمارے اسلاف نے سینکڑوں برس کی محنتوں سے ہمارے اندر جو اصلاح کی تھی اس کو ہم نے پچھلی ایک صدی کے اندر بُری طرح ضائع کیا ہے۔ پہلے انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں وہ بہت کچھ ضائع ہوئی اور اب ان کی غلامی ختم ہو جانے کے بعد خود اپنے حکمرانوں کے دور میں ہم اس کو پہلے سے بھی زیادہ ضائع کر رہے ہیں۔ یہ وہی غلطی ہے جس پر قرآن

مجید میں متعدد مقامات پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ ''لَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا'' زمین میں اصلاح ہوجانے کے بعد اس میں بگاڑ پیدا نہ کرو''۔ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی زندگی میں جتنی بھی اصلاح ہوئی ہے، انبیاء علیہم السلام اور نوعِ انسانی کے نیک انسانوں کی ہزار ہا برس کی کوششوں سے ہوئی ہے۔ ایک برائی کا سدّ باب کرنے اور ایک ایک بھلائی کو قائم کرنے میں خدا کے صالح بندوں کو صدہا برس محنت کرنی پڑی ہے۔ تب جا کر دنیا میں کچھ عالمگیر اخلاقی ضوابط پر انسانی تہذیب کی تعمیر ہوسکی ہے۔ اس تعمیر کو تکمیل تک لے جانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ایک معمولی مثال دیکھئے۔ صرف یہ بات کہ عورت اور مرد کا تعلق نکاح کے سوا کسی اور صورت میں نہ ہو، انسان کو اس کا قائل کرنا اور اس کا خوگر بنانا اور معاشرے میں اس کو ایک مسلّم ضابطے کی حیثیت سے رواج دینا اتنا مشکل کام تھا کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین نوعِ انسانی کو اس کے لیے ہزار ہا برس تک کوشش کرنی پڑی ہوگی تب کہیں دنیا میں یہ ایک اصلاح نافذ کی جاسکی ہوگی۔ اس لیے کہ انسان میں جنسی انارکی کی طرف ایسا زبردست میلان موجود ہے کہ اسے ایک اخلاقی ضابطہ کا پابند بنا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس اصلاح کو ضائع کر دینے کے لیے کسی بڑی محنت کی ضرورت نہیں۔ عورتوں اور مردوں میں آزادانہ اختلاط کی راہیں کھول دیجئے اور خاندانی منصوبہ بندی کے ذرائع و وسائل عام لوگوں کی دست رس تک پہنچا دیجئے، جنسی انارکی دیو، جسے مشکل سے باندھا گیا تھا، ایک دفعہ کھل جانے کے بعد دیکھتے دیکھتے اس ساری اصلاح کو غارت کر دے گا جو ہزار ہا برس کی کوششوں سے ہوئی تھی۔ لیکن اس کے تباہ کن نتائج سامنے آنے کے بعد، جس طرح کہ آج وہ مغربی معاشرے کے سامنے انتہائی بھیانک صورت میں آرہے ہیں، آپ اگر چاہیں کہ پھر اس دیو کو قید کر دیں، تو یہ کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ اس کے لیے صدہا برس ہی کی محنتیں درکار ہوں گی۔ اس لیے قرآن مجید انسانیت کے غارت گروں کو متنبہ کرتا ہے کہ زمین میں جو اصلاح بڑی مشکلوں سے ہوئی ہے اس کو تم اپنی حماقتوں سے برباد نہ کرو۔

اسی ایک مثال پر آپ قیاس کر لیجئے کہ جس عظیم الشان عمارت کا نام اسلامی تہذیب و تمدن ہے، اس کی تعمیر کس مشکل سے ہوئی ہوگی۔ کتنی جہالتوں اور گمراہیوں کو مٹا کر، کتنی برائیوں کا سدّ باب کر کے اس کے لیے زمین صاف کی گئی ہوگی۔ کتنی جانفشانیوں سے صحیح عقائد اور صحیح خیالات ذہنوں میں بٹھائے گئے ہوں گے۔ کیا کچھ محنتیں اخلاقی حدود اور ضوابط کو معاشرے میں عملاً قائم کرنے پر صرف کی گئی ہوں گی اور پھر اس پوری عمارت کو سہارنے کے لیے اسلامی نظام زندگی کے یہ پانچ ستون، شہادت، توحید، نماز، روزہ اور حج مضبوطی کے ساتھ جمائے گئے ہوں گے۔ یہ جو کچھ بنا ہے، ہمارے اسلاف کی بے حد و حساب کوششوں سے بنا ہے۔ اور یہ عظیم سرمایہ ہمیں میراث میں مفت مل گیا ہے اس کو اگر ہم ترقی نہیں دے سکتے تو کم از کم اسے برباد تو نہ کرنا چاہئے۔ ہمارا نظام تعلیم و تربیت، ہمارا لٹریچر، ہمارا تصور ثقافت اور بحیثیت مجموعی ہمارے قوانین اور نظم و نسق اور معیشت و معاشرت کا پورا نظام جس رفتار سے اس سرمائے کی ناقدری کرنے والے اور اس کو برباد کرنے والے لوگ روز بروز زیادہ سے زیادہ تعداد میں پیدا کر رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کچھ بعید نہیں کہ ایک روز ہم اس کو بالکل کھو دیں گے اور اگر ایک دفعہ ہم نے اسے کھو دیا تو پھر اسے از سر نو حاصل کر لینا کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ خدا نہ کرے کہ وہ وقت آئے، اور خدا کرے کہ اس کے آنے سے پہلے ہی ہم سنبھل جائیں۔

☼☼☼

فارم نمبر چار (Form (4

مالک	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
پرنٹر	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت	:	ماہانہ

مقام اشاعت: پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

سکریٹری آف اسٹیٹ ووڈ (Wood) نے لارڈ ایلگن (Elgin) کے نام اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے کہ:

ایک فرقہ کو دوسرے کے خلاف استعمال کرکے ہم نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کیا ہے اور ہم اس کو اسی طرح برقرار رکھ سکتے ہیں۔آپ صرف یہ کریں کہ ان کے درمیان یکساں احساس کو بڑھنے نہ دیں۔

اسی طرح جارج فرانسیس ہملٹن (Hamilton) نے لارڈ کرزن کو ۲۶ مارچ ۱۸۸۸ء کو لکھے اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے کہ:

آج سے پچاس سال بعد برطانوی حکومت کو جو خطرہ درپیش ہوگا اس سے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف قوموں کے درمیان نفاق کو بڑھاوا دیں اور ایسی نصابی کتابیں مرتب کروائی جائیں کہ ان کے درمیان اختلاف میں مزید بتدریج اضافہ ہو۔

فرانسیس ہملٹن نے ہی ۴ جنوری ۱۸۸۶ء کو سکریٹری آف اسٹیٹ لارڈ ڈفرن کو اپنے ایک خط میں تحریر کیا کہ:

ہندوستان کے لوگوں میں مذہبی اختلاف پیدا کرنا ہمارے لیے مفید ہے۔آپ نے ہندوستان میں تعلیمی نصاب بنانے کے لیے جو تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی ہے اس سے ہم بہتر نتائج کے متوقع ہیں۔

انگریزوں کو مسلمانوں سے خاص طور پر شکایتیں تھیں۔سیاسی، سماجی، اقتصادی استحصال اور اقتدار کی منتقلی کے بعد مسلمان بتدریج حاشیہ پر چلے گئے تھے۔انگریزوں کے لیے یہ بہت اچھا موقعہ تھا۔چٹلیر کا کہنا ہے کہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری تبلیغی جماعتیں (Missionaries) اسلام اور مسلمانوں کو بالواسطہ طور پر بدنام کرنے میں اب تک کامیاب نہیں ہوسکیں ہیں۔اس لیے اس مقصد کو حاصل کرنے کی واحد صورت زبانوں کے وسیلے سے اپنے تصورات و خیالات کی تشہیر ہے۔اس طرح مشنریاں اسلام میں اعتقادات کو درہم برہم کرکے اپنے مقاصد حاصل کرسکتی ہیں۔مسلمانوں کا سیاسی زوال یقینی ہے اور ایک طویل عرصہ تک عالم اسلام یورپی سلاخوں میں محصور ایک شیر کی طرح رہے گا۔اس طرح بتدریج مسلمانوں کا مذہبی جوش وخروش اور جذبہ دھیرے دھیرے سرد پڑ جائے گا اور کبھی بھی نئی شکل میں یہ دوبارہ ابھرنے کے لائق نہیں رہ جائیں گے۔

اس طرح ایک خاص اور متعین مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخ کی کتابوں میں خاص طور پر تحریفیں کی گئیں۔پوری مسلم آبادی کو اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ مسلم آبادی کی غالب اکثریت دراوڈین اور دوسرے آریائی نسل سے تعلق رکھتی ہے، مسلم حکمرانوں کے ساتھ منسوب کیا گیا اور انہیں ترکی اور فوجی یونیفارم میں ملبوس غیر ملکی، درانداز، ظالم اور غاصب کی شکل میں پیش کیا گیا۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندو احیاپرستی کے علمبردار شنکر اچاریہ نے بودھوں اور جینیوں کے خلاف جنگ کے دوران ان کے مندروں اور وہاروں کو کھنڈرات میں تبدیل کرایا تھا۔وہ سب انگریز مؤرخین اور نام نہاد آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے مسلمانوں کے سر منڈھ دیا تاکہ ہندوؤں کو یہ احساس دلایا جائے کہ ان کے درمیان کوئی یکساں محاذ نہیں اور برطانوی حکومت ہی ان کی نجات دہندہ ہے۔اسلام ہندوستان میں اگرچہ

ایک اصلاحی مشن پر آیا تھا اس نے اسے ایک عظیم اور باوقار ملک میں تبدیل کر دیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو تحریر کرتے ہیں کہ:

اسلام کی آمد کو ہندوستان پر مسلمانوں کا حملہ یا ہندوستان میں مسلمانوں کا عہد قرار دینا غلط اور گمراہ کن ہے۔ مغل غیر ملکی اور ہندوستان کے لیے اجنبی تھے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو نمایاں طور پر ہندوستانی ڈھانچہ میں اس طرح ڈھال لیا تھا کہ اس سے ہند مغل دور کا آغاز ہوا۔ اس طرح افغان حکمراں یا ان کے ساتھ آنے والے تمام لوگ خوشی سے یا حالات سے مجبور ہو کر ہندوستانی تہذیب میں ضم ہو گئے ان کے بعد کی نسلیں پوری طرح ہندوستانی ہوگئیں اور ہندوستان کو اپنا وطن اور باقی دنیا کو غیر ممالک قرار دیا۔

مغربی مؤرخین خصوصاً ہنری ایلیٹ، ڈبلو تھامسن، جیمس ٹاڈ، ولیم روبرٹسن، چارلس گرانٹ، جیمس مل، الیگزنڈر کنگھم، الفریڈ لیالی، تھامس مور اور برطانوی انتظامیہ کے دیگر افسران اور ان کے مشرقی شاگرد مؤرخین نے بڑی عرق ریزی سے تاریخ کی ضخیم جلدیں تصنیف کیں جس میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت کو غیر ملکی حکومت اور عام مسلمانوں کو ہندوستانی سماج میں غیر ملکی عناصر اور ظالم دراندار، غارت گر، آفت، دغا باز، سنگ دل، بے حس، بے رحم، عیاش، متعصب، لہو کا پیاسا اور قہر الٰہی گردانا اور ہندوؤں کو مظلوم اور ملک کا اصل باشندہ قرار دیا۔ تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے ہر قسم کی تحقیق اور عبارت آرائی سے کام لیا گیا۔ آثار قدیمہ اور دستاویزات تک مسخ کیے گئے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ تہذیب و تمدن کی ساری ترقیاں دنیا کو اہل مغرب کی ہی دین ہیں۔ ایشیا کو کمتر اور شکست خوردہ ظاہر کیا گیا اور یورپی مرکزیت والی تاریخ نویسی (Eurocentric Historicism) کا آغاز ہوا جس میں بتایا گیا کہ چونکہ مغرب مہذب اور ترقی یافتہ ہے اور مشرق غیر تہذیب یافتہ اور زوال پذیر۔ اس وجہ سے مشرق پر مغرب کی حکمرانی اور بالادستی نہ صرف جائز بلکہ ضروری اور لازمی بھی ہے۔ اس طرز فکر کو مشہور کالم نگار ایڈوارڈ سعید مشرقیت (Orientalism) کا نام دیتے ہیں جس کے مطابق مشرق مغرب کا دیگر کمتر (Inferior other) ہے۔ ایسی حالت میں یورپ کے افراد ہی فرماں روائی کے مستحق ہیں۔ ان کے پاس ہی علم و ہنر کے خزانے ہیں اس وجہ سے باقی علاقے کے عوام کو ان کے ماتحت رہنے پر فخر کرنا چاہیے۔ جیمس مل نے اسے شعور کی حکومت (Rule of Reason) کا نام دیا۔

بہر کیف ایچ ایم ایلیٹ (Eliot) نے اپنی کتاب "History of India as told by its own historian" (تاریخ ہند اس کے اپنے مورخوں کی زبانی) جو کہ ۱۸۶۷ء میں آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی کہ وجہ تصنیف بتاتے ہوئے خود ہی تحریر کیا ہے کہ:

اس کے پیش نظر مقصد صرف یہ رہا ہے کہ ہندوستانیوں کو مسلمان بادشاہوں کے غیر منصفانہ عہد کی تاریکیوں کو دکھا کر انگریز عہد حکومت کی روشنی دکھائے تاکہ ہندو اسے سایہ رحمت سمجھ کر اطاعت مندانہ روش اختیار کرلیں۔

اس کی پہلی جلد کے عمومی پیش لفظ میں اس پر تفصیل سے روشنی کچھ اس طرح ڈالی گئی ہے:

ان مسلمان بادشاہوں کے یہاں انصاف کا چشمہ بالکل ہی پراگندہ تھا۔ ٹیکس انتہائی پرتشدد اور ظالمانہ و جابرانہ انداز سے وصول کیے جاتے، ان کے گاؤں کو آگ لگا دی جاتی۔ لوگوں کے جسمانی اعضاء کاٹ دیے جاتے اور انہیں غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا جاتا..... ہندو اگر مسلمانوں سے جھگڑے تو قتل کر دیے جاتے۔ ان کے لیے مذہبی جلوس نکالنا اور اشنان کرنا ممنوع تھا۔ ان کی مورتیوں کو مسخ اور ان کے مندروں کو منہدم کر دیا جاتا۔ ان کو زبردستی مسلمان بنالیا جاتا۔ ان کی لڑکیوں سے زور زبردستی شادی کرلی جاتی اور ان کی جائیداد بھی ضبط کرلی جاتی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ایلیٹ نے اس زہر کو تاریخ ہند کی رگوں میں پہنچا کر اس طرح مطمح نظر کو خراب کیا ہے کہ اس کے خلاف آج جو بات کہی جاتی ہے وہ شک آمیز تعجب سے سنی جاتی ہے۔

انہیں اثرات کا اظہار کرتے ہوئے لالہ لاجپت رائے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ:

جب میں اسکول کا طالب علم تھا تو سرکاری اسکولوں میں تاریخ ہند پر ایک کتاب ''واقعات ہند'' پڑھائی جاتی تھی۔ اس کتاب نے احساس دلایا کہ مسلمانوں نے اپنے دور

حکومت میں ہندوؤں پر بہت ظلم وزیادتی کی تھی۔ بتدریج یہ خیال پختہ ہوتا چلا گیا اور اسلام کی عزت واحترام کا جذبہ جو خاندانی تربیت کے نتیجے میں ہمارے دلوں میں تھا واقعاتِ ہند کے مطالعہ کے بعد نفرت میں بدلتا چلا گیا۔

ہندوستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ انگریز مؤرخین نے جو روش اختیار کی تھی۔ حصولِ آزادی سے قبل اور بعد میں تقریباً یہی نقطۂ نظر ہندوستانی مؤرخین کی کتابوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ کیوں کہ ان لوگوں نے برطانوی مؤرخین کی مرتب کردہ تاریخ کو ہی ماخذ اور حرف آخر مانا۔ اس کی صحت کو کبھی بھی صداقت کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور جان بوجھ کر انہیں نظر انداز کیا۔ بقول ان کے یوسف زئی:

ہندوستانی تاریخ کے بنگالی مصنفین نے جو انگریزی کتابوں کے ترجمے پر مبنی کتابیں تصنیف کیں مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرنے میں حد کردی اور دل کھول کر ان کے چہرے کو مسخ کیا اور انہیں ان کتابوں میں جابجا جین یا یوون، ملیچھ اور ترک کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان ہندوستانی مصنفین نے برطانوی دانشوروں کی تصنیفات اور مسلمانوں کے خلاف رائج انتظامی، تعلیمی، سماجی اور معاشی امتیاز کے باعث خصوصاً بعد از غدر مصلحتِ وقت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے جو تاریخی ادبی ناول، افسانے، کہانیاں، شاعری، ڈرامہ، عام پرچہ وجریدہ اور پمفلٹ وغیرہ مقامی زبان میں خاص طور پر بنگالی، ہندی، مراٹھی اور گجراتی وغیرہ میں تحریر کئے عوامی جلسہ، اسکول و کالج میں تدریس، نجی گفتگو اور بحث و مباحثہ میں اظہار خیال کیا ان کی حیثیت برطانوی تصنیفات کی صدائے بازگشت سے زیادہ نہیں ہے۔ ان میں مسلمانوں کے دورِ حکومت کو ظالمانہ و جابرانہ حکومت قرار دیتے ہوئے برطانوی حکومت اور انگریز حکمرانوں کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ بنگالی زبان میں دوارکاناتھ ٹیگور، اکشے کمار دت، رنگا لال سین کی پدمنی ویا کھیان اور سرسندری (مطبوعہ ۱۸۶۸ء) دین بندھومترا کی کتاب سورندھانی (مطبوعہ ۱۸۷۷ء) کولی نین سین کی کتاب پلاسیر یدھ (مطبوعہ ۱۸۷۵ء) اور بنکم چندر چٹرجی کی کتاب آنند مٹھ اور درگیش نندنی (مطبوعہ ۱۸۶۶ء) وغیرہ۔ ہندی زبان میں بھارتیندو ہریش س (۱۸۵۰ء۔ ۱۸۸۵ء)، پرتاب نرائن مشرا (۱۸۵۶ء۔ ۱۸۹۴ء)، رادھا چرن سوگواتی (۱۹۳۲ء۔ ۱۸۵۹ء)، مراٹھی اور گجراتی کے گوپال راؤ ہری دیشمکھ (۱۸۹۲ء۔ ۱۸۲۳ء)، نرمدا شنکر (۱۸۳۳ء۔ ۱۸۸۶ء) اور دال پترم (۱۸۲۲ء۔ ۱۸۹۸ء) وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

آرین نسل اور آرین پر حملہ

دنیا کے تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ آریہ بنیادی طور پر ایران، منگولیا اور مرکزی ایشیا کے رہنے والے تھے اور بہتر چراگاہ کی تلاش میں وہ ۱۵۰۰ء سے ۲۵۰۰ء ق م کے درمیان ہندوستان کی جانب آئے۔ یہ دکھانے کے لیے کہ ہندو قوم ہندوستان کے اصل باشندہ ہیں اور ویدک آرین ہی دراصل ہندوستانی ہیں باہر سے نہیں آئے ہیں۔ انہوں نے آریوں کی ہجرت کے سلسلے میں موجودہ تمام نظریات جس کی سند خود ویدک لٹریچر میں بھی موجود ہے اور تمام مغربی ومشرقی محقق ومؤرخین اس پر متفق ہیں۔ اس سے بھی نظریاتی وجذباتی بنیادوں پر انکار شروع کردیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں وی ٹی ساورکر بھی یہ تسلیم کرتا رہا کہ آریہ ہندوستان میں باہر سے آئے۔ لیکن ۱۹۳۹ء میں گروگوالکر نے سختی سے اس کی تردید کی۔ خود لوکمانیہ تلک جنہیں ہندو یا قوم مخالف نہیں کہا جاسکتا ہے آریوں کی ابتداء اور ان کے آرکٹیک باشندہ ہونے کے قائل ہیں۔ دوسری جانب گروگوالکر نے ایک دلچسپ اور محیر العقل نظریہ پیش کیا کہ قطب شمالی وہیں پر تھا جہاں آج ریاست بہار اور اڑیسہ کا علاقہ ہے۔ جو بتدریج کھسکتے ہوئے آج کافی شمال میں چلا گیا ہے۔ گروگوالکر کے لفظوں میں:

ویدمیں جس آرکٹیک علاقہ کا تذکرہ ہے وہ دراصل ہندوستان ہی ہے۔ ہندوؤں نے ہجرت نہیں کی بلکہ ہندوستان کو چھوڑتے ہوئے خود ہی آرکٹیک زور کھسکتا ہوا چلا گیا۔ اس طرح ہندو اس ملک میں باہر سے نہیں آئے بلکہ وہ ہندوستان کے اصل باشندے ہیں۔ وہ لاکھوں سالوں سے اسی زمین پر رہتے اور بستے چلے آرہے ہیں۔ اس طرح وہ اس ملک کے قدرتی مالک ہیں۔

آج سنگھ پریوار سے وابستہ اور اس کے ہم خیال تقریباً تمام مؤرخین انہیں بنیادوں پر ہندوؤں کو ہندوستان کا اصل باشندہ ثابت کرنے میں مصروف ہیں۔

(جاری....)

☼☼☼

روس، ترکی اور امریکہ کی بالادستی کی جنگ

مسعود ابدالی

امریکہ نے انقرہ کو مطلع کیا ہے کہ اس کی بحریہ کے دو جہاز بحراسود جانے کے لیے اگلے ہفتے ترکی کے زیرانتظام آبنائے ڈارڈینیلس (Dardanelles) اور باسفورس سے گزریں گے۔ 4 لاکھ 36 ہزار مربع کلومیٹر پر محیط بحراسود یا Black Sea خشکی سے گھرا سمندر ہے۔ بلغاریہ، جارجیا، رومانیہ، روس، ترکی اور یوکرین کی آبی سرحدیں بحراسود میں کھلتی ہیں۔ روس کو بحرالکاہل اور ترکی کو بحرروم تک بھی رسائی حاصل ہے، لیکن باقی تمام ممالک کی آبی آمدورفت بحراسود تک محدود ہے۔

بحراسود سے باہر نکلنے کا واحد راستہ استنبول کے قریب آبنائے باسفورس یا Strait of Bosporus ہے۔ سات سو میٹر چوڑی اور 31 کلومیٹر طویل آبنائے بحراسود کو بحرمرمرا سے ملاتی ہے۔ استنبول میں واقع بحرمرمرا بھی خشکی سے گھرا سمندر ہے جسے مشرق میں آبنائے ڈارڈینیلس خلیج یونان تک رسائی دیتی ہے۔ خلیج یونان بحرروم کا حصہ ہے۔ یعنی بحراسود آنے جانے کے لیے کشتیوں، مال بردار جہازوں اور جنگی اثاثوں کو ترکی سے گزرنا ہوتا ہے۔

ان دونوں آبناؤں سے جہازوں کی بلا روک ٹوک آمد و رفت یقینی بنانے کے لیے جولائی 1936ء میں بحراسود کے ممالک اور فرانس، جاپان و برطانیہ نے ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ یہ اجلاس سوئٹزرلینڈ میں نہر جنیوا کے کنارے ایک پُرتعیش فیئرمونٹ لی مانٹرے ہوٹل میں منعقد ہوا، اسی مناسبت سے یہ معاہدہ مانٹرے کنونشن (Monteux Convention) کہلاتا ہے۔ معاہدے کے تحت ترکی بحراسود کا راستہ کھلا رکھنے اور تجارتی جہازوں کو آزادانہ رسائی دینے کا پابند ہے۔ لیکن بحراسود کے ممالک کے سوا دوسرے ملکوں کے جنگی جہاز پیشگی اطلاع کے بغیر ان آبناؤں سے نہیں گزر سکتے، اور اطلاع ملتے ہی ترکی کے لیے ان جہازوں کی تفصیل اور علاقے میں ان کے قیام کی مدت سے بحراسود کے ممالک کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ ترکی نے امریکی بحریہ کے "عزائم" سے روس سمیت تمام ممالک کو آگاہ کردیا۔ امریکہ کا پہلا جنگی جہاز اس مہینے کی 14 اور دوسرا 15 کو بحراسود پہنچے گا، اور یہ دونوں جہاز 4 مئی تک وہاں رہیں گے۔ یوکرین روس حالیہ کشیدگی کے تناظر میں روس کو امریکی جہازوں کی بحراسود آمد پر گہری تشویش ہے، چنانچہ جمعہ (9 اپریل) کو ترک اور روسی صدور نے فون پر اس معاملے کا جائزہ لیا۔ ترک صدر کا کہنا تھا کہ امریکی جہازوں کی بحراسود آمد مانٹرے کنونشن کے مطابق ہے، اس لیے کہ واشنگٹن نے تمام مطلوبہ

معلومات بروقت فراہم کردی ہیں۔لیکن یہ اطلاع ملتے ہی روس نے یوکرین سے ملنے والی سرحد پر فوج اور اسبابِ جنگ کا انبار لگانا شروع کردیا ہے۔مشرقی یوکرین کا یہ علاقہ 2014ء میں جزیرہ نما کریمیا پر روس کے قبضے کے بعد سے میدانِ جنگ بنا ہوا ہے۔ یوکرینی فوج اور روسی حمایت یافتہ علیحدگی پسند باغیوں کے درمیان خونریز تصادم میں ہزاروں افراد مارے گئے ہیں جن میں تاتاروں کی اکثریت ہے۔

حالیہ کشیدگی کی ایک اور وجہ یوکرین کا وہ اعلان ہے جس میں مغرب کے ساتھ دفاعی روابط بڑھانے اور نیٹو اتحاد کی رکنیت اختیار کرنے کا عندیہ دیا گیا ہے۔اس خبر پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے روسی وزارتِ خارجہ کی ترجمان ماریہ زیخا روا نے جمعہ کے روز خبردار کیا کہ یوکرین کی نیٹو میں شمولیت سے جنوب مشرقی علاقے میں صورت حال مزید سنگین ہوجائے گی، جس سے خود یوکرین کی سلامتی کو خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ یوکرین اور روس تنازع کی اصل بنیاد کیا ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے تاتاروں کی تاریخ کا ایک سرسری جائزہ مفید ہوگا:

روسیوں اور تاتاروں میں تناؤ کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔تاتار منگولوں کے اُس لشکر کا ہراول دستہ تھے جس نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور اس کے فوراً بعد دمشق کو روند کر سلطنت کا خاتمہ کردیا۔لیکن بغداد کے مرکزی کتب خانے، جدید ترین ہسپتالوں، لائبریریوں اور دمشق کے عالی شان مدرسوں کو نذرِ آتش کرنے والے یہ وحشی بہت دنوں تک اسلام دشمنی پر قائم نہ رہ سکے، اور خود غارت گرِ اعظم ہلاکو کا بیٹا مسلمان ہوگیا، اور بعد میں یہی تاتاری عظیم الشان عثمانی سلطنت کے معمار ثابت ہوئے۔

"جوانانِ تتاری کس قدر صاحبِ نظر نکلے"

(اقبال)

ترکی میں شجاعت کے جوہر دکھانے والے تاتاروں نے کوہِ وولگا کے میدانی علاقے Volga-Ural میں ایک اسلامی سلطنت قائم کرلی جو روسیوں کو پسند نہ تھی، چنانچہ 1550ء میں اس ننھی سی اسلامی ریاست کے خلاف خونریز فوجی کارروائی کا آغاز ہوا۔ مذہبی عالم امام گل شریف کی قیادت میں مدارس کے طلبہ خم ٹھونک کر میدان میں آئے۔ یہ طالبان سے روسیوں کی پہلی ٹکر تھی۔گل شریف کا لشکر اپنی ریاست کا دفاع تو نہ کرسکا مگر ان کے چھاپہ مار حملوں نے روسیوں کو بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیا۔قازانی ریاست کی معیشت کا دارومدار زراعت پر تھا جسے روسیوں کے حملے میں شدید نقصان پہنچا تھا۔ نتیجے کے طور پر ایک شدید قحط سے قازانیوں کے اعصاب جواب دے گئے اور ان کی بڑی تعداد قازقستان اور یوکرین نقل مکانی کرگئی،لیکن اکثریت قازان ہی میں موجود رہی۔ یوکرین آنے والے تاتاری اس کے جزیرے کریمیا میں آباد ہوگئے۔ دس ہزار مربع میل رقبے پر مشتمل یہ جزیرہ بحر اسود اور بحر ازاق سے گھرا ہوا ہے اور تین میل لمبی ایک تنگ سی خشک پٹی اسے یوکرین سے ملاتی ہے۔ ابتدا میں کریمیا عثمانی سلطنت کا حصہ تھا۔کمیونسٹ انقلاب کے بعد اسے یوکرین میں ضم کردیا گیا، اور یہیں سے کریمین تاتاروں کی آزمائش کا نیا دور شروع ہوا۔جوزف اسٹالن نے "فکری تطہیر" کے نام پر جید تاتار علما اور رہنماؤں کو سزائے موت اور سائبیریا نوردی کی سزائیں دیں۔ یہ سلسلہ کئی برس جاری رہا۔دوسری جنگِ عظیم کے دوران نازی فوجوں نے کریمیا پر قبضہ کرلیا جسے دو سال بعد روسیوں نے چھڑالیا۔کامیابی کے فوراً بعد اسٹالن نے تاتاروں پر نازیوں کی حمایت کا الزام لگا کر ان کی کریمیا بدری کے احکامات جاری کردیے، اور ایک اندازے کے مطابق پانچ لاکھ سے زیادہ تاتار مویشی ڈھونے والی گاڑیوں میں ٹھونس کر ملک بدر کردیے گئے جن میں سے دو لاکھ کے قریب افراد بھوک پیاس سے ہلاک ہوگئے۔ اصلاح پسند روسی صدر گورباچوف نے اپنے فلسفہ پریسٹرائکا (Perestroika) میں اسٹالن کے ہاتھوں تاتاروں کی جلاوطنی کو کمیونسٹ راج کا بدترین ظلم قرار دیا ہے۔سوویت یونین کی شکست وریخت پر 1991ء میں یوکرین کی آزاد ریاست وجود میں آئی، اور اس کے فوراً بعد جلاوطن تاتار کریمیا واپس آنا شروع ہوگئے۔ایک اندازے کے مطابق قازقستان سے ایک لاکھ اور دوسرے علاقوں سے مجموعی طور پر ستّر ہزار تاتار گزشتہ بیس سال کے دوران کریمیا واپس پہنچے، جن کی آبادکاری کے لیے ترک حکومت نے خصوصی امداد فراہم کی۔

تاتار دشمنی کے علاوہ روس کی نظریں کریمیا کی زمین اور اس سے متصل بحر اسود کی تہوں میں مدفون تیل وگیس کے بھاری ذخائر پر تھیں، چنانچہ 2014ء میں روس نے سیاسی بحران کا

فائدہ اٹھاتے ہوئے کریمیا پر قبضہ کرلیا۔ جس کے بعد ایک ریفرنڈم کا انعقاد ہوا جس میں عوام سے کریمیا کے مستقبل کے بارے میں رائے لی گئی۔ یوکرین کی سپریم کورٹ نے ریفرنڈم کو غیر قانونی قرار دے دیا لیکن عدالتی حکم مسترد کرتے ہوئے روسی فوج کی نگرانی میں 30 مارچ 2014ء کو اس شان سے ریفرنڈم ہوا کہ سارے کریمیا میں تین دن پہلے کرفیو لگا دیا گیا تھا۔ روسی فوج کا کہنا ہے کہ ریفرنڈم میں ووٹ ڈالنے کا تناسب 83 فیصد تھا اور 95.5 فیصد لوگوں نے کریمیا کے روس سے الحاق کی حمایت کی۔ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔ قبضے کے ساتھ ہی تاتاریوں سے بدسلوکی کا دوبارہ آغاز ہوا، اور کریمیا کو یوکرین سے ملانے والی آبنائے کرش پر ناکے لگا دیے گئے تاکہ تاتاریوں کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھی جاسکے۔

کریمیا کے بعد مشرقی یوکرین میں روسی ایما پر سربوں نے علیحدگی کا اعلان کردیا۔ کریمیا کی طرح مشرقی یوکرین میں بھی روسی فوج کا اصل نشانہ تاتار ہیں۔ تاتاروں نے بوسنیا کے مسلمانوں کو پناہ دی تھی، جس پر روسی سرب ان سے سخت ناراض ہیں۔ مشرقی یوکرین کے صنعتی شہر Makiivka میں آباد تاتار محنت کشوں اور ہنرمندوں کا قتل روزمرہ کا معمول ہے۔

روسی سربوں کے مطالبے پر مئی 2014ء میں دونیسک (Donetsk)، خارکوو (Kharkov) اور لوہانسک (Luhansk) صوبوں میں ریفرنڈم کروائے گئے جہاں 85 فیصد لوگوں نے یوکرین سے علیحدگی کے حق میں ووٹ دیے۔ اس بار بھی ریفرنڈم روسی فوج کی زیرنگرانی منعقد ہوئے اور زیادہ تر پولنگ اسٹیشن فوجی چوکیوں میں قائم کیے گئے تھے۔ ٹھپے بازی سے مزین اس ریفرنڈم پر خود صدر پیوٹن نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ روسی سرحد سے متصل مشرقی یوکرین کا ایک تہائی سے زیادہ علاقہ اب سرب علیحدگی پسندوں کے قبضے میں ہے جن میں لوہانسک اور دونیسک صوبے شامل ہیں جہاں کے ائرپورٹ پر روسی فضائیہ نے جدید ترین طیاروں کے بیڑے تعینات کردیے ہیں۔ سربوں کی جانب سے ان دونوں صوبوں کو رشین فیڈریشن میں ضم کرنے کا مطالبہ زور پکڑ رہا ہے۔

امریکہ اور نیٹو کو ڈر ہے کہ مشرقی یوکرین کا رشین فیڈریشن سے الحاق بحراسود پر روس کی گرفت کو مضبوط کردے گا۔ گزشتہ کچھ عرصے سے روسی بحریہ یوکرینی بندرگاہ اوڈیسا (Odessa) کی نگرانی کررہی ہے۔ اوڈیسا بحراسود کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے جہاں سالانہ 4 کروڑ ٹن سامان اتارا اور لادا جاتا ہے۔ رومانیہ بھی اپنے خام تیل کی برآمد اور پیٹرولیم مصنوعات کی درآمد کے لیے اوڈیسا کا جدید ترین آئل ٹرمینل استعمال کرتا ہے۔ مشرقی یوکرین پر روس کا قبضہ اور اس کے نتیجے میں بحراسود پر روس کی بالادستی امریکہ اور اس کے نیٹو اتحادیوں کے لیے ناقابل قبول ہے۔ واشنگٹن یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ یوکرین کی سرحد پر روسی فوج کا اجتماع عام سی فوجی مشق کا حصہ ہے۔ امریکی وزارتِ دفاع (پینٹاگون) کے ترجمان جان کربی نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یوکرین کی سرحد پر روسی فوج کی اتنی بڑی تعداد نیت کے فتور کو ظاہر کرتی ہے اور مہذب دنیا روسی مؤقف پر یقین کرنے کو تیار نہیں۔ جناب کربی نے 2014ء میں کریمیا پر قبضے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بارے میں روس کی ایک تاریخ ہے۔ روسیوں نے توسیع پسندانہ ہدف کے حصول کے لیے ماضی میں بالکل یہی حکمت عملی استعمال کی ہے، اور سرحد پر روسی فوج کا اجتماع یوکرین کے لیے نیک شگون نہیں۔ امریکی ترجمان نے کہا کہ واشنگٹن روسیوں کی تاریخ اور طریقہ واردات سے واقف ہے، اسی لیے ہم صورتِ حال کو بہت غور سے دیکھ رہے ہیں۔ امریکہ کے ساتھ جرمنی اور فرانس نے بھی روس کو جارحیت سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ جرمنی کے وزیرخارجہ ہائیکو ماس نے اپنے ایک ٹویٹ میں کہا کہ عسکری نقل و حرکت کے بارے میں روسی قیادت عالمی اداروں کو اعتماد میں لے۔ جناب ہائیکو ماس کے فرانسیسی ہم منصب نے بھی اس صورت حال پر ایک بیان جاری کیا، جس میں کہا گیا ہے کہ روس اشتعال انگیزی بند کرکے کشیدگی کم کرنے کی کوشش کرے۔ امریکہ، فرانس اور جرمنی کی تشویش کو یکسر رد کرتے ہوئے روسی وزارتِ دفاع کے ترجمان دمتری پیسکوو نے کشیدگی بڑھانے کی ذمہ داری یوکرین پر عائد کی اور کہا کہ یوکرین کا رویہ خطے میں عدم استحکام کا باعث ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ روس اپنی سرحدوں کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔

بحراسود پر روس کی بالادستی ترکی کے لیے بھی مشکلات کا سبب بن سکتی ہے۔ یہاں ترکی نے

گیس کے کئی بڑے ذخائر دریافت کیے ہیں، جن کی ترقی اور پیداواری منصوبوں پر کام ہورہا ہے۔ زاروں کے دور سے روس توسیع پسندی کی طرف مائل ہے۔ افغانستان پر قبضے کی ناکام کوشش، نگورنو کاراباخ کی آڑ میں آرمینیا پر اثر ورسوخ، کریمیا کا رشین فیڈریشن میں انضمام اوراب مشرقی یوکرین کی جانب جارحانہ عزائم سے ترکی کو سخت تشویش ہے۔ سربوں اور روسیوں کے ہاتھوں تاتاروں کے قتل عام پر ترکی میں سخت غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ دوسری طرف امریکہ اور نیٹو اتحادی بھی انقرہ کو آنکھیں دکھارہے ہیں۔ مشرقی بحر روم میں یونان، فرانس اور اٹلی کے بحری جہازوں کے گشت میں اضافہ ہوگیا ہے جسے ترکی اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے، اور اس خطرے کے سدباب کے لیے صدر اردوان نے روس سے فضائی دفاعی نظام S-400 خریدنے کا معاہدہ کیا ہے، جس سے ناراضی کے اظہار کے لیے امریکی کانگریس نے انقرہ پر کچھ پابندیاں عائد کردی ہیں جن میں جدید ترین F-35 طیاروں کی فروخت پر پابندی شامل ہے۔ مزے کی بات کہ سودے کی منسوخی کے باوجود F-35 کا بیرونی ڈھانچہ اب بھی ترک فولاد سے بنایا جارہا ہے۔

روس سے دفاعی مراسم بڑھا کر ترکی واشنگٹن اور مغرب کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اپنی دفاعی ضروریات کے لیے وہ ان کا محتاج نہیں۔ اگر نیٹو نے ترکی پر یونان کو ترجیح دی تو انقرہ کے پاس بھی متبادل بندوبست موجود ہے۔ لیکن بحر اسود کی کشیدگی سے روس اور ترکی کے تعلقات میں رخنہ خارج از امکان نہیں۔ روس اور ترکی تعلقات میں پہلے بھی اونچ نیچ آتی رہی ہے۔ لیبیا میں روس، حفتر باغیوں کا اتحادی ہے اور وفاقی حکومت کی نصرت کے لیے ترک ڈرونز نے کئی بار روسی اثاثوں پر مہلک حملے کیے ہیں۔ اسی طرح شام میں بھی بشارالاسد کی فوج کے ساتھ بعض اوقات ان کے روسی اتحادیوں کو بھی ترکی نے نشانہ بنایا ہے۔ نگورنو کاراباخ میں ترکی کے میزائیل بردار ڈرونز نے روس کے اتحادی آرمینیا کی دفاعی لائن کو تہس نہس کیا ہے۔ ان ہزیمتوں کی بنا پر ماضی میں کئی بار صدر پیوٹن نے ترکی کے خلاف سخت زبان استعمال کی ہے، تاہم زمینی صورتِ حال اور عالمی سیاست کے تناظر میں ترکی اور روس ایک دوسرے سے لڑائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

کریمیا کے بعد مشرقی یوکرین میں تاتاروں کے قتل عام پر ترک عوام کو سخت تشویش ہے۔ ترکی میں تاتاروں کے لیے گہری عقیدت پائی جاتی ہے۔ روس کو بھی معاملے کی نزاکت کا احساس ہے اور صدر پیوٹن حالیہ کشیدگی کو بحر اسود میں سامراجی مداخلت کا شاخسانہ قرار دے رہے ہیں۔ روسی حکام کا کہنا ہے کہ بحر اسود میں امریکی جہازوں کی آمد اور یوکرین کے لیے نیٹو کی رکنیت روس کو اشتعال دلانے کی ایک کوشش ہے۔ ترک حلقوں کا کہنا ہے کہ روس اپنے سرب اتحادیوں پر زور دے رہا ہے کہ وہ تاتاروں کو نشانہ نہ بنائیں، اور کچھ مقامات پر تاتار محلوں سے سرب رضاکاروں کو ہٹا کر حفاظت کی ذمہ داری روسی فوج نے سنبھال لی ہے۔ لیکن کریمیا میں تاتاروں کی آمد و رفت پر پابندی اور مساجد کی نگرانی کا سلسلہ جاری ہے۔

توسیع پسندی کے حوالے سے روسی عزائم پر ترکی کی تشویش حقیقت پسندانہ ہے، لیکن انقرہ کے لیے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی صفوں میں جا کھڑا ہونا بھی ممکن نہیں، کہ امریکہ اور یورپی یونین نے آزمائش کی ہر گھڑی میں ترکوں کے روایتی دشمن یونان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ دوسری طرف بحر اسود میں روس کی بالادستی اور تاتاروں کی نسل کشی بھی ترکوں کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ دیکھنا ہے کہ چوکھی جنگ کے ماہر صدر اردوان کیا حکمت عملی اختیار کرتے ہیں، جس سے امریکی تکبر اور روسی توسیع پسندی کے اژدھوں سے گزند بھی نہ پہنچے اور سفارتی عصا بھی محفوظ رہے۔

☼☼☼

حق اور باطل کی کش مکش

دنیا میں حق اور باطل کی کش مکش بجائے خود ایک امتحان ہے، اور اس امتحان کا آخری نتیجہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں نکلنا ہے۔ اگر دنیا کے انسانوں کی عظیم اکثریت نے کسی قوم، یا ساری دنیا ہی نے حق کو نہ مانا اور باطل کو قبول کرلیا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق ناکام اور باطل کامیاب ہوگیا، بلکہ اس کے معنی دراصل یہ ہیں کہ انسانوں کی عظیم اکثریت اپنے رب کے امتحان میں ناکام ہوگئی جس کا بدترین نتیجہ وہ آخرت میں دیکھے گی۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رسائل ومسائل پنجم)

غزوۂ احد
دروس و نصائح

سفانہ کمال فلاحی

جہاد کسی بھی ریاست کا ویسا ہی طبعی وظیفہ ہے جیسا کہ جرائم کے روک تھام کے لیے پولیس اور عدالت کا انتظام اس کا فطری عمل ہے، لیکن ایک نوخیز ریاست، ایک نوتشکیل یافتہ معاشرہ اپنے زمانہ کا ابتداء کرنے والا ایک نظام تو قطعی طور پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ عین اپنی بقا اور نشو ونما کے لیے ایک سنگین دور جہاد گزارے۔ خصوصیت سے جب کوئی جدید اجتماعیت کسی انقلابی نظریئے پر اُٹھی ہو تو اس کے مقابلے میں لازماً قدیم انقلاب دشمن طاقتیں صف بستہ ہو کے آتی ہیں۔ ایسی انقلاب دشمن طاقتوں کے مقابلے میں محض دفاع ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ اُس کو تہس نہس کئے بغیر قطعاً ممکن ہی نہیں ہوتا کہ کوئی انقلاب اپنی موجودہ حدود اور معیار پر بھی قائم رہ سکے، سو اسلامی نظریۂ جہاد یہیں تک نہیں جاتا کہ کوئی حملہ کرے تو چاروناچار اس کا سامنا کرلیا جائے بلکہ وہ یہ رہنمائی دیتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے داعی ایک طرف اپنی ریاست کے موجودہ وجود کے ایک ایک ذرّے کو بچا کے رکھنے کے لیے بوقت ضرورت جان و مال کی قربانی دیں، بلکہ دوسری طرف لاکھوں بندگانِ خدا کو ظلم، جہالت، معاشی خستہ حالی اور اخلاقی پستی سے نکالنے اور انقلاب کی تکمیل کے لیے انقلاب دشمن طاقتوں کی سرکوبی کریں۔

چنانچہ مدینہ میں محسن انسانیت کے ساتھ آنے والے لوگ (مہاجرین) محض اپنے لیے جائے امن وسکون تلاش کرنے والے نہ تھے اور نہ ان کا مقصد معاش کا حصول تھا، بلکہ وہ ایک اونچے مقصد کے لیے آئے تھے۔ وہ اقتصادی عروج کی راہیں تلاش کرنے میں گم نہیں ہوئے، بلکہ حضور ﷺ نے اُن کو منظم طریقے سے بسایا اور انصار کے ساتھ اُن کی معاشی، سماجی اخوت قائم کی، پھر ان کو مسجدوں کے تمدنی مراکز کے ذریعے جماعتی تنظیم میں پرولیا۔ عبادات، مواعظ، تعلیم قرآن اور دوسری تدابیر سے ان کی ذہنی، عملی اور اخلاقی تربیت کا کام فوراً شروع کردیا اور اس کو تیزی سے توسیع دی۔ اسی کے ساتھ اُن کی نظامِ ریاست کے ذریعے شیرازہ بندی کردی۔ مکہ کی طرح مدینہ دفاعی لحاظ سے بہت ہی موزوں مقام تھا۔ اس کے محل وقوع اور اس کی موزوں تربیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری تھا کہ اس کی آبادی کو ایک نظم میں پرو دیا جائے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے یہود، اوس اور خزرج اور دوسرے قبائل کو ان کی مذہبی، تمدنی اور معاشی فرق کے باوجود ایک نظم میں پرودیا۔

ان تدابیر کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور ان کے رفقاء نے یہ اچھی طرح محسوس کرلیا کہ ہمیں ایک طوفانی سمندر کے درمیان ننھا سا جزیرہ پاؤں ٹکانے کے لیے نصیب ہوا ہے۔ اس کا وجود ہر وقت خطرے میں ہے چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو ایک متحرک جنگی قوت میں بدل لیا۔ چنانچہ بدر کا معرکہ مسلمانوں اور مشرکین کا سب سے پہلا مسلّح ٹکراؤ اور فیصلہ کن معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی، اور سارے عرب نے اس کا مشاہدہ کیا۔

اس معرکے کے نتائج سے وہی لوگ دل گرفتہ تھے جنہیں براہِ راست یہ نقصانِ عظیم برداشت کرنا پڑا یعنی مشرکین اور یہود۔

انتقام ایک ایسا جذبہ ہے جو تعمیر یا تخریب

کے لیے طاقتور ترین محرّک کی حیثیت رکھتا ہے، زِک اٹھایا ہوا انسان بہت خطرناک ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سے مسلمانوں نے بدر کا معرکہ سَر کیا تھا یہود و مشرکین مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ اور رنج و الم سے جل بھن رہے تھے جیسا کہ ارشاد ہے:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا (المائدۃ: ۸۲)

''تم اہل ایمان کا سب سے زبردست دشمن یہود کو پاؤ گے اور مشرکین کو''۔

مدینے میں کچھ لوگ ان دونوں گروہوں کے ہمراز و دمساز تھے انہوں نے جب دیکھا کہ اب کوئی سبیل باقی نہیں رہ گئی تو بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے یہ عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کا گروہ تھا، ان کے علاوہ ایک چوتھا گروہ وہ بدّو تھے جو مدینے کے گرد وپیش بود و باش رکھتے تھے، انہیں کفر و اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی یہ لٹیرے اور رہزن تھے انہیں بھی بدر کی کامیابی کا قلق تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی تو لوٹ کھسوٹ کا راستہ بند ہو جائے گا، اس لیے یہ بھی اسلام دشمن ہو گئے۔ اس طرح مسلمان چومکھے خطرے میں آ گئے۔ حضور ﷺ کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ قریش اپنے حلیفانہ تعلقات اور اپنی مکمل معاشی قوت کو کھپا کر اپنے اس جنگی پھریرے کو بلند رکھنے کی کوشش کریں گے، گویا تعمیر و اصلاح کے علمبردار کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ تعمیری کام کے ساتھ ساتھ اپنی مختصر جماعت کو ہر آن چوکنّا رکھے، چنانچہ عملاً معرکۂ بدر کے بعد پے در پے حضور ﷺ کو دفاعی اقدامات کرنے پڑے، معرکۂ بدر کے سات روز بعد ہی حضور ﷺ کو فوجی مہم لے کر مدینہ سے ماء الکدر جانا پڑا اور سال بھر کے بعد وہ عملاً ایک ایسی معرکہ آرائی کے لیے مدینہ کی چہار دیواری تک چڑھ آئے جو تاریخ میں غزوۂ احد کے نام سے معروف ہے۔

چنانچہ ایک دن ابوسفیان مکہ مکرمہ سے تین ہزار کا لشکر جرار لیے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا، ان کے پاس تین سو اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہیں تھیں، اردگرد کے قبائل سے تہامہ اور کنانہ کے علاوہ حبشیوں کا ایک ٹولہ بھی شامل تھا۔ لشکر میں جوش پیدا کرنے کے لیے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کی قیادت میں پندرہ عورتیں بھی لشکر میں شامل تھیں، یہ عورتیں دَف بجا کر اور اشعار گا کر لشکر کو جوش دلانے کا کام انجام دے رہی تھیں اور ان کے غصے کو ہوا دے رہی تھیں۔

نبی کریم ﷺ کے چچا عباسؓ ابھی مکہ مکرمہ میں ہی تھے، وہ مسلمان ہو چکے تھے مگر اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، وہ قریش کی جنگی تیاریوں سے خوب واقف تھے، چنانچہ انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ ایک خط روانہ کیا اس خط میں انہوں نے قریش کی جنگی تیاریوں کی تفصیل درج کی، قریش کے ارادوں سے آگاہ کیا اور پوری تفصیل لکھی، بنو غفار سے تعلق رکھنے والا یہ ایلچی بہت تیزی سے مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

خط ملتے ہی نبی کریم ﷺ نے فوراً مجلس مشاورت طلب فرمائی، مسجد نبوی میں بڑے بڑے صحابہؓ کا اجلاس ہوا۔ اس میں کافروں کا مقابلہ کرنے کے لیے غور وخوض کیا گیا، اللہ کے رسول ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر جنگ لڑی جائے، جب کہ نوجوانوں کی اکثریت کھلے میدان میں لڑنا چاہتی تھی۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ بھی کھلے میدان میں شجاعت کے جوہر دکھانے کے حق میں تھے۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) بھی مدینہ میں رہ کر جنگ لڑے جانے کے مشورہ سے اتفاق کیا لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دور بھی رہے اور کسی کو احساس بھی نہ ہو لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سب کا مشورہ سن کر نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے باہر ہی جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔

ہجرت کا تیسرا سال تھا۔ شوال کی چھ تاریخ تھی اور جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ میں عبداللہ ابن مکتوم کو امیر مقرر کیا تاکہ وہ مدینہ میں باقی رہ جانے والوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر آپ ایک ہزار کا لشکر (جن میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہسوار تھے) لے کر احد کی طرف روانہ ہوئے ایک روایت میں آتا ہے کہ شہسوار کوئی بھی نہ تھا (زاد المعاد، ابن القیم) اُدھر قریش کا لشکر اُحد پہاڑ کے سامنے وادی ''قناۃ'' میں ڈیرہ ڈال چکا تھا۔ آپ ﷺ شہر سے باہر نکلے ہی تھے کہ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے ۳۰۰ رفقاء کو لے کر لشکر سے الگ ہو گیا اور کہا کہ'' آپ نے چونکہ میری رائے کا احترام نہیں کیا، اس لیے میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا۔'' اب مسلمانوں کی تعداد صرف ۷۰۰ رہ گئی پھر آپ ﷺ نے جبل احد کے دامن میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس طرح اسلامی لشکر کی پشت پر اُحد کا پہاڑ تھا۔ بائیں ہاتھ پر ایک پہاڑی تھی

جس کا نام اب ''جبل رماۃ'' ہے۔آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن جبیرؓ کی کمان میں پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ اس پہاڑی پر مقرر فرمایا۔ یہ پہاڑی اسلامی لشکر سے تقریباً ڈیڑھ سو میٹر کے فاصلے پر تھی۔آپ ﷺ نے اس دستے کو بہت واضح ہدایات دیں، فرمایا: ''دیکھو! دشمن پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئے، انہیں اپنے تیروں کے ذریعے دور رکھنا، نزدیک نہ آنے دینا، ہم جیتیں یا ہاریں بس تم اپنی جگہ پر رہنا اور ہماری پشت کی حفاظت کرنا ، اگر دیکھو ہم مارے جارہے ہیں تب بھی ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر ہم مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہوں تب بھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ماہر کمانڈر کی طرح لڑائی کا منصوبہ تیار کیا، پڑاؤ کے لیے اونچی جگہ منتخب فرمائی، صحابہ کرامؓ کو جھنڈے عطا فرمائے، فوج کا جذبہ ابھارنے کے لیے ان سے خطاب فرمایا۔دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی ہدایت عطا فرمائی ۔ جنت کی بشارتیں دیں۔ دلیری اور بہادری کی روح پھونکنے کے لیے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور پوچھا ''اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟'' کئی ہاتھ بلند ہوئے ابو دجانہ آگے بڑھے اور عرض کیا ''اللہ کے رسول ﷺ اس تلوار کا حق کیا ہے؟ وہ حق میں ادا کروں گا'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے دشمن کو اتنا مارو کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

باقی لشکر کی ترتیب یہ تھی کہ میمنہ پر حضرت منذرؓ بن عمرو مقرر ہوئے اور میسرہ پر حضرت زبیر بن عوامؓ اور ان کا معاون حضرت مقداد بن اسود کو بنایا گیا، حضرت زبیرؓ کو یہ مہم بھی سونپی گئی کہ وہ خالد بن ولید کے شہسواروں کی راہ روکیں گے۔ یہ منصوبہ بڑی باریک بینی اور حکمت پر مبنی تھا جس سے نبی کریم ﷺ کی فوجی قیادت اور عبقریت کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ تھی نبی کریم ﷺ کے لشکر کی ترتیب و تنظیم جو ۷ شوال ۳ھ سنیچر کے دن عمل میں آئی۔

مشرکین نے بھی صف بندی کے اصول پر اپنے لشکر کو مرتب اور منظم کیا تھا۔ان کا سپہ سالار ابوسفیان تھا جس نے قلب لشکر میں اپنا مرکز بنایا تھا ۔ میمنہ پر خالد بن ولید تھے جو ابھی تک مشرک تھے ۔میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی اور تیر اندازوں پر عبداللہ بن ربیعہ مقرر ہوئے۔

اس جنگ میں غزوہ بدر کی طرح کئی بچے بھی آئے ہوئے تھے انہیں کم عمری کی وجہ سے واپس کر دیا گیا، البتہ کم سنی کے باوجود دو بچوں (رافع بن خدیج ،سمرہ بن جندب) کو جنگ میں اجازت مل گئی۔اسی سے اندازہ لگائیں کہ اس دور کے بچوں میں جہاد کا جذبہ کس قدر تھا۔ بوڑھوں کا حال بھی مختلف نہیں تھا۔سیدنا عمرو بن جموح ایک انصاری صحابی تھے یہ پاؤں سے لنگڑے تھے لیکن وہ بھی جہاد پر جانے کے لیے بضد ہو گئے یہ اور ان کے بیٹے خلادؓ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

مشرکین صف بندی کر چکے تھے ،لڑائی سے پہلے ابوسفیان نے جنگی چال کے طور پر انصار و مہاجرین کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی ،انصار نے اس بات کا بہت سخت جواب دیا بھلا وہ کیسے اللہ کے رسول ﷺ کو چھوڑ سکتے تھے وہ تو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے آئے تھے۔

آخر لڑائی شروع ہوئی ۔قریش نے دعوت مبارزت دی، ان میں سے طلحہ بن ابی طلحہ اپنی صفوں میں سے نکل کر آگے آگیا اور للکارا: ''تم میں سے کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے'' اس کے مقابلے پر زبیر بن عوامؓ آئے اور اس کو قتل کر دیا، اسی موقع پر نبی کریم ﷺ نے انہیں حواری رسول کا خطاب عنایت فرمایا۔قریش کا جھنڈا اس وقت قبیلہ بنو عبدالدار کے پاس تھا ۔ لڑائی شروع ہوئی اس جھنڈے کی حفاظت کرتے ہوئے ایک ہی گھرانے کے چھ افراد قتل ہوئے اُن لوگوں کو یکے بعد دیگرے سیدنا حمزہ، سعد بن وقاص، سیدنا عاصم، طلحہ بن عبیداللہ نے قتل کیا۔

پھر عام مقابلہ شروع ہوا اور دونوں لشکر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ۔حضرت حمزہ شیر کی طرح لڑ رہے تھے وہ جدھر کا رخ کرتے دشمن کی صفوں کی صفیں الٹ دیتے ۔آخر کار وحشی بن حرب ایک حبشی غلام نے ان کو شہید کر دیا، اس نے انعام کی لالچ میں ان پر نیزے سے حملہ کر دیا اور نیزہ ان کی ناف سے نیچے لگا اور حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔

جبل رماۃ کے درّے پر نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کی قیادت سونپی تھی اور فرمایا تھا ''اس جگہ کو نہ چھوڑنا''۔ یہ حضرت وہاں چوکس کھڑے تھے کہ مشرکوں کے ایک دستے کو ان لوگوں نے اسی طرف آتے دیکھا، یہ دستہ خالد بن ولید کا تھا۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ جنگی صلاحیت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب ملی

تھی ۔انہوں نے بھانپ لیا کہ اگر وہ لوگ اس درّے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں تو کامیابی ہو سکتی ہے چنانچہ یہ اپنے دستے کو لے کر اس درّے کی طرف بڑھے اور حملہ کرنے کی کوشش کی ۔سیدنا جبیر بن مطعمؓ نے اپنے دستے کو حکم دیا کہ ”دشمن پر تیر برساؤ اور انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دو“۔اس طرح سے تیر اندازی شروع ہوئی اور اس قدر مہارت سے ہوئی کہ خالد بن ولید جیسے سپہ سالار بھی اپنے دستے کے قدم جمانے میں کامیاب نہ ہوئے ،لیکن وہ خالد بن ولید تھے اپنی جنگی صلاحیت کا انہیں خوب اندازہ تھا۔چنانچہ کچھ دیر گزرنے کے بعد پھر حملہ آور ہوئے پھر عبداللہ بن جبیرؓ کے دستے نے ان کا رخ پھیر دیا، پھر خالد بن ولید حملہ آور ہوئے اس مرتبہ بھی کوئی کامیابی نہ ملی ۔جنگ اب پورے زوروں پر تھی ،سات سو مجاہدین کا لشکر ایک بڑے لشکر سے ٹکرا رہا تھا، کافر پورا زور لگا رہے تھے اور ابھی تک مسلمانوں کے حوصلوں کو نہ توڑ سکے تھے، آخر کار خود ان کے حوصلے ٹوٹ گئے ۔حوصلے کا ٹوٹنا تھا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے ان کا جھنڈا بھی گر گیا، عورتیں جو اب تک ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں اب بھاگ اٹھیں ۔

مسلمانوں نے جب انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا تو ”اللہ اکبر“ کا زور دار نعرہ لگایا اور ان کا تعاقب شروع کر دیا۔دشمن بدحواس ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کو اپنے تعاقب میں دیکھ کر سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔میدان جنگ اب دشمنوں سے خالی تھا، مسلمان مال غنیمت اکھٹا کرنے لگے، اس وقت تیر اندازوں سے وہ تاریخی غلطی سرزد ہوگئی جن کا خمیازہ انہیں بعد میں خوب اٹھانا پڑا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں حکم فرمایا تھا ”تم لوگ اس گھاٹی سے نہ ہٹنا“ لیکن میدان خالی دیکھ کر اور دوسرے مسلمانوں کو مال غنیمت لوٹتے دیکھ کر وہ گھاٹی پر کھڑے نہ رہ سکے انہوں نے میدان کا رخ کیا اس پر سیدنا جبیر بن مطعمؓ نے انہیں ٹوکا اور فرمایا ”خبر دار ہمیں اس جگہ سے نہیں ہٹنا چاہیئے ، اللہ کے رسول ﷺ کا یہی حکم ہے“۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جنگ جاری رہنے تک ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، اب جنگ ختم ہو چکی ہے ۔اور انہوں نے جبل رماۃ کو چھوڑ دیا اور میدان جنگ کی طرف چلے گئے تاہم عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے نو ساتھی وہاں ڈٹے رہے ۔

خالد بن ولید تین بار اس طرف سے حملہ کرنے کی کوشش کر کے ناکام ہو چکے تھے ان کا دستہ بھی شکست کھا کر بھاگ رہا تھا لیکن ان کی نظریں ایسے میں بھی اس گھاٹی کی طرف تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان وہاں سے ہٹ گئے ہیں تو انہوں نے فوراً اپنے دستے کے ساتھ ایک چکر کاٹا اور اسلامی لشکر کی پشت پر پہنچ گئے ۔ عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے نو ساتھی کب تک اس پورے دستے کو روکتے ، ان کے تیر ختم ہو گئے اور نوبت شہادت تک پہنچ گئی انہیں شہید کرتے ہوئے خالد بن ولید کے دستے نے میدان جنگ کا رخ کر لیا اور مال غنیمت لوٹتے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ، یہ حملہ ایک تو تھا زبردست، دوسرے مسلمان اس وقت لڑائی کے لیے تیار نہ تھے لہٰذا تتر بتر ہو کر رہ گئے ۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس وقت بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا اور اپنے صحابہ کو یکجا کرنے لگے ۔غرض ابتری کا عالم تھا ، ادھر کسی نے آواز لگا دی کہ اللہ کے رسول ﷺ شہید ہو گئے اس خبر نے مسلمانوں میں بے چینی پھیلا دی ،بعض نے لڑائی سے ہاتھ روک لیے، انہیں لمحات میں کسی کی نظر اللہ کے رسول ﷺ پر پڑی وہ جوش کے عالم میں پکارا ”مسلمانوں اللہ کے رسول ﷺ زندہ سلامت ہیں“۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں میں جوش ولولہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے جم کر لڑائی شروع کر دی ، جب آپ ﷺ کی طرف کافروں کا ہجوم بڑھا تو آپ کے ارد گرد اس وقت نو صحابی موجود تھے انہوں نے جاں نثاری کی انتہا کر دی اور سات صحابی باری باری دشمن کی یلغار روکتے ہوئے شہید ہو گئے ۔ اب آپ ﷺ کے پاس طلحہ بن عبداللہؓ اور سعد بن وقاصؓ تھے دونوں ماہر تیر انداز تھے انہوں نے کافروں پر تیر اندازی شروع کر دی ۔اس دوران عتبہ بن وقاص نے آپ ﷺ کو پتھر مارا جس سے آپ ﷺ گر گئے اور نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا اور نچلا دانت ٹوٹ گیا۔ عبداللہ بن قمئہ نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے کندھے پر تلوار ماری جس سے آپ ﷺ کا کندھا زخمی ہو گیا اور اس میں ایک ماہ تک درد رہا۔

اللہ کے رسول ﷺ کا زخمی ہونا صحابہ کرام کا شہادت پانا یہ سب واقعات اتنی تیزی سے ہوئے کہ دوسرے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ تک پہنچ نہ پائے پھر بڑی تیزی سے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ تک پہنچے ۔سب سے پہلے ابو بکرؓ ،عبیدہ بن جراحؓ ، سیدنا عمر اور ابو دجانہؓ سمیت گیارہ صحابی آپ ﷺ

تک آپہنچے۔ ادھر مشرکین کی تعداد بڑھتی جارہی تھی ان کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا مگر صحابہ کرامؓ نے بے مثال جاں نثاری اور تابناک قربانیوں کا مظاہرہ کیا۔ ان لمحات میں خود رسول اللہ ﷺ نے اتنے تیر چلائے کہ اس کا کنارہ ٹوٹ گیا۔ اس روز عورتوں میں سیدہ عمارہ، نسیبہ بنت کعب بہت بے جگری سے لڑیں۔

کافر مسلمان شہداء کی لاشوں کی بے حرمتی کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چباڈالا لیکن چبا نہ سکی۔ بالآخر یہ جنگ برابر برابر طور پر ختم ہوگئی۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ اُسی روز مدینہ منورہ پہنچ گئے اور تمام مسلمانوں نے وہ رات جاگ کر گزاری کہ کہیں کفار واپس حملہ نہ کردیں۔ دوسرے روز ۸ شوال کو مدینہ منورہ سے ۸ میل دور ''حمراء الاسد'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ ادھر کافروں نے ۳۶ میل دور روحہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا لیکن دوبارہ حملہ نہ کرسکے۔ انہوں نے مکہ واپس جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تین دن تک وہاں قیام فرمایا پھر ۱۱ شوال کو مدینہ واپس لوٹ آئے۔

معرکہ اُحد کے چند خاص پہلو (دروس ونصائح)

۱۔ نظم اور ڈسپلن تحریک کی اصل طاقت ہوتی ہے۔ ہر قسم کے مقابلوں میں اس کی اہمیت اساسی ہے۔ نظم اور ڈسپلن کی بنیاد اس اخلاقی صفت پر استوار ہوتی ہے جس کا نام صبر ہے، یعنی اپنے اوپر اتنا قابو ہو کہ ہر طرح کا خوف ونقصان اور مفادات کے مقابلے میں ثبات اور جماؤ برقرار رہے۔ اسلامی جماعت چونکہ زیر تربیت تھی اور خصوصاً میدان جنگ کا اسلامی کردار مضبوط کرنے کا ابھی تک تجربہ وسیع نہ ہوا تھا۔ اس لیے یہ جماعت لغزشوں سے بالکل محفوظ نہ رہ سکی لیکن اس ذرا سی غلطی پر مشیت نے جماعت کو ایسا سبق دیا جو محض وعظ ونصیحت سے کبھی دل میں نہ اُتر سکتا تھا۔ سورہ آل عمران (۱۲۵) میں صبر کی تلقین بھی کی گئی اور ان کو اشارۃً سمجھایا گیا کہ سود خورانہ ذہنیت کے ساتھ نہ صبر قائم رکھا جاسکتا ہے نہ ضبط ونظم کے تقاضے پورے کئے جاسکتے ہیں۔ (سورہ آل عمران۔ ۱۳۰)

۲۔ تحریکوں کے لیے اصول وقیادت دونوں ایسے لازم وملزوم عناصر ہیں کہ اصولوں پر محکم ایمان اور قیادت کے لیے گہری محبت وفداکاری کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ حضور ﷺ کی سچی محبت کے لازوال نقوش صحابہ کرام نے میدان احد کے قرطاس پر ثبت کئے ہیں۔

۳۔ مکہ کی انقلاب دشمن فوج نے اپنے گھناؤنے جذبات کا مظاہرہ یوں کیا کہ مسلم شہداء کی لاش کی بے حرمتی کی۔ لیکن دوسری طرف حضور ﷺ نے مسلم فوج کو سختی سے باز رکھا کہ وہ دشمن کی لاشوں کا مثلہ نہ کریں۔ اسلامی تحریک کے اصولوں میں انسانیت کا احترام شامل تھا۔

۴۔ حضور ﷺ کی مسلم جماعت کو پاکیزہ اخلاق کی تعلیم اور عورتوں، بچوں پر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمانا۔

۵۔ مسلم خواتین کی جنگ میں جانبازی کا مظاہرہ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی تحریک نے عورت کو جمود میں پڑا رہنے نہیں دیا بلکہ اسے متحرک کیا اور خدمات لیں۔

۶۔ مسلم فوج کی مادی بے سروسامانی کا رقت انگیز منظر شہداء کی تجہیز وتکفین کے وقت سامنے آیا۔ یہ حالات خود گواہ ہیں کہ مسلم ریاست کے لیے جنگ کتنا مجبورانہ قدم تھا۔ مگر جب یہ مجبورانہ اقدام کرنا پڑ گیا تو انہوں نے ہر کمی کی تلافی اپنے نظریۂ حیات کے یقین اور اپنے عظیم نصب العین کی محبت اور رسول اللہ ﷺ کی سچی رفاقت سے کی۔

۷۔ دشمن نے جب حضور ﷺ کو زخمی کردیا تو بھی نبی ﷺ نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی، ہدایت کی دعا کی۔

معرکہ احد کے پس منظر میں قرآن نے مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ سپاہیانہ شعور کی آبیاری بھی کی۔ جس کی مثال سورہ آل عمران میں موجود ہے۔

☼☼☼

صبر

یہ ہے کہ اہل ایمان مصائب وآلام میں پستی اختیار کرنے کے بجائے رفعت وبلندی کی روش اپنائیں۔ شکوہ وشکایت سے احتراز کریں اور اس سے خود کو بلند رکھیں، دعوت کی تکالیف کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں، حق کی ذمہ داریوں کو بہرصورت ادا کریں، خود کو اللہ کے حوالے کردیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے معاملے میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اس کے آگے سرتسلیم خم کردیں اور اس کے حکم اور اس کی رضا کو خوشی خوشی قبول کرلیں۔

(سید قطب شہیدؒ)

خلیل احمد حامدیؒ

اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

پہلی جنگ عظیم کے دوران صہیونی تحریک کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ اس تحریک کے خفیہ اجلاس زیادہ تر لندن، زیورچ اور بال میں منعقد ہوتے تھے۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں لندن میں اس کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا اس میں صہیونی لیڈروں نے بالاتفاق یہ سازش تیار کی کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کو جنگ کے اندر گھسیٹا جائے اور اسے اتحادی طاقتوں کا ہمنوا بنایا جائے اور اس کے عوض ان طاقتوں سے یہ وعدہ لے لیا جائے کہ یہود کو فلسطین میں قومی وطن کی تشکیل کی اجازت ہوگی۔ شرکائے اجتماع نے حاییم واسمین اور لیوٹیل روشمائلڈ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ دونوں برطانیہ کے وزیراعظم لائیڈ جارج سے اس موضوع پر بات چیت کریں۔ چنانچہ لائیڈ جارج نے ان دونوں یہودی رہنماؤں سے اپنے پرائیوٹ آفس میں ملاقات کی اور گفتگو کے اختتام پر ان سے کہا:

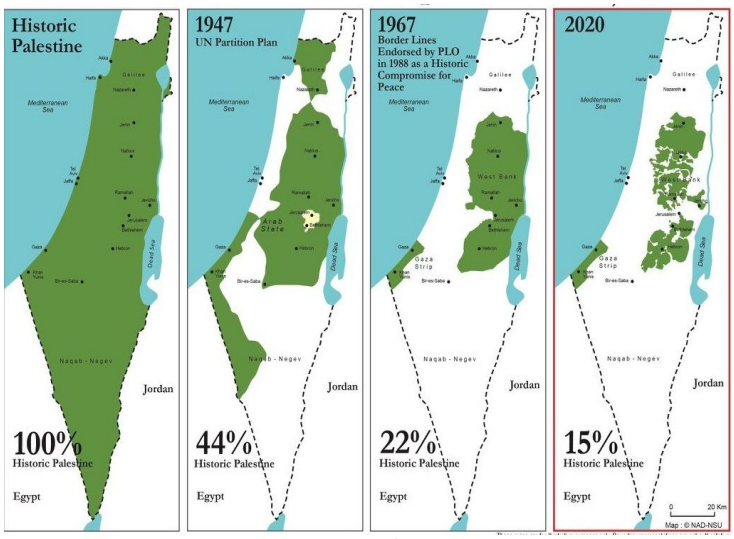

”امریکہ کے لیے تو اتحادیوں کے پرچم کے نیچے جنگ میں داخل ہونا آسان ہے، مگر یہود کے لیے قومی وطن کی فراہمی آسان نہیں ہے، اس آرزو کی تکمیل اولاً اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اتحادی طاقتیں جنگ میں کامیاب ہوجائیں اور ثانیاً خود اتحادی طاقتیں بھی اس کے لیے تیار ہوں، اور ثالثاً جنگ کے بعد مشرق کے بدلتے ہوئے حالات بھی اس کی اجازت دیں۔ لہٰذا یہودیوں کا فرض ہے کہ وہ جنگی کوششوں میں حصہ لیں اور اتحادیوں کی فتح کے لیے جو کچھ بھی فراہم کرسکتے ہوں کریں۔“ (امریکہ اور برطانیہ میں یہودیوں نے اپنے تمام مالی اور تجارتی اداروں کو اتحادیوں کی فتح کے لیے استعمال کیا۔ ان ملکوں میں بنکوں کا نظام اکثر و بیشتر یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ان ملکوں میں یہودیوں کے ۳۵ بنک تھے۔ درآمد برآمد کی ایجنسیاں اس کے علاوہ تھیں۔ (دیکھو: نیو یارک، لندن، پیرس اور زیورچ میں ایوان ہائے تجارت کے اعلامیے بابت ۱۹۰۰ء و ۱۹۲۵ء)

جارج کلیمنشو کا موقف یہودیوں کے بارے میں!

۱۲/ اگست ۱۹۱۶ء کو لائیڈ جارج نے فرانس کے وزیراعظم جارج کلیمنشو کو ایک خفیہ مراسلہ لکھا جس میں اسے اس فراخدلانہ پیش کش سے مطلع کیا جو روشمائلڈ اور واسمین کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ کلیمنشو نے جس کا لقب ”چیتا“ تھا، اس

مراسلے کے جواب میں لکھا:

"یہ بات حیرت انگیز تو ہے لیکن خلاف توقع نہیں ہے۔ یہودیوں کے پاس ایسے تجارتی ہتھکنڈے ہیں جن میں انہیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ یہ سودا بہت مہنگا ہے اور ضمانت بھی مفقود ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم انہی ذرائع پر بھروسہ کریں جو ہماری دسترس میں ہیں، اور انہی کو بروئے کار لا کر ہم اپنے دوست امریکہ کو قائل کریں کہ وہ جنگ میں اتحادی طاقتوں کا ساتھ دینے کے لیے نکل آئے"

جنگ کے پورے عرصہ میں اور جنگ کے بعد بھی صہیونیوں کی تگ و دو اور کوششیں برابر جاری رہیں۔ کلیمنشو کے ایک دوست آندرے لینو نے ۱۹۲۴ء میں ایک کتاب شائع کی جس کا نام تھا "عالمی جنگ کے چند اسرار" مصنف نے اس کتاب میں، جو اہم دستاویزات سے مزّین تھی، صہیونی تحریک کی ان درپردہ مساعی کو بے نقاب کر دیا جو اس نے پہلی عالمی جنگ میں اور روس کی زار حکومت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں متعدد پہلوؤں سے انجام دی تھیں۔ لینو نے اس کتاب کے تیسرے باب میں لکھا ہے:

"جرمنی اور اس کی حلیف عثمانی سلطنت کے مقابلے میں امریکہ کا اتحادی طاقتوں کے پلڑے میں اپنا بوجھ ڈال دینا بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ خاص طور پر خوراک کی سپلائی کے میدان میں، صہیونیوں نے اس جنگ سے جو منافع حاصل کیے ہیں وہ آنے والا وقت ہی صاف صاف بتا سکتا ہے۔ جب حالات کے چہرے سے پردہ اٹھے گا، اور یورپ کی فضاؤں سے باقی ماندہ سیاہ بادل چھٹ جائیں گے۔ لندن کی صہیونی جمیعت نے اس دوستی سے خوب فائدہ اٹھایا جس کے رشتے اس جمعیت کے بعض ارکان اور برطانیہ کے بعض ذمہ دار شخصیتوں کے مابین استوار تھے۔ اس دوستی کی بدولت صہیونی جمعیت نے ان شخصیتوں سے یہ منوالیا کہ فلسطین کے اندر یہودیوں کا قومی وطن بنایا جائے گا۔ حالانکہ یہ فلسطین وہی علاقہ ہے جس میں عرب اقوام قدیم زمانے سے بستی چلی آرہی ہیں حتیٰ کہ سلطنتِ داؤد کے قیام سے بھی پہلے وہاں عرب موجود تھے اور یہودی سلطنت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے ہی مٹ چکی تھی۔"

اعلان بالفور کی حیثیت

لیو ٹیل روشچائلڈ ایک یہودی سرمایہ دار اور مسٹر بالفور وزیر خارجہ برطانیہ کے درمیان جو دوستانہ روابط تھے، یہ انہی کا کرشمہ ہے کہ یہودی مساعی کا یہ مثبت نتیجہ برآمد ہوا کہ یہودیوں نے اتحادی طاقتوں سے سرکاری طور پر ایک ایسا عہد اگلوا لیا، جو یہودیوں کی خواہشوں اور آرزوؤں کو بخوبی شرمندۂ تکمیل کرنے والا تھا۔ حالانکہ لندن اور پیرس میں یہودی زعماء کا یہ منصوبہ پوری کوششوں کے باوجود ناکام ہو گیا تھا اور جہاں تک مسٹر بالفور کے اس خط کا تعلق ہے جو اس نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو اپنے دوست روشچائلڈ کو لکھا تھا اور جس میں اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ فلسطین کے اندر یہودیوں کا قومی وطن اس شرط پر وجود میں لایا جا سکتا ہے کہ اس سے دوسری غیر یہودی اقوام کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ اس خط کو ایسی بین الاقوامی دستاویز کی حیثیت دیتے ہیں تو میں شخصی طور پر ان تمام وثائق کو جو لندن کی یہودی جمعیت کی ملکیت میں ہیں، کاغذ کے پرزوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ بیرون روشچائلڈ کو میرا یہ تاثر پہنچا دیں۔

تیسرے باب کے آخری پیراگراف میں آندرے لینو لکھتا ہے:

"یہودی آئندہ چل کر بالفور کے ذاتی خط کو بین الاقوامی وثیقہ کی شکل دے دیں گے، اور صہیونی تحریک اقوامِ مشرق کو اس فریب میں مبتلا کر دے گی کہ یہ وثیقہ ایک سرکاری دستاویز ہے۔ مگر جب یہ اقوام خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گی اور حقیقت حال کی تلاش کریں گی تو اس وقت پانی سر سے گزر چکا ہوگا، اور تاریخ اپنے قیمتی صفحات سے الٹ چکی ہوگی۔"

بالشویک انقلاب اور اس کا سب سے پھلا کارنامہ

اب روس کے بالشویک انقلاب کی طرف آئیے جس کی قربان گاہ پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون بہا اور جس کے رہنماؤں نے فلسطین کے اندر "سلطنتِ داؤد" کی تجدید کے لیے صہیونی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں نہایت اہم اور بنیادی رول ادا کیا۔

زیورچ میں لینن اور وائسمین کی ملاقات کے بعد لینن نے برلن کا رخ کیا تاکہ جرمن حکومت سے مدد حاصل کرے۔ وہاں اس نے جرمنی کی خفیہ پولیس کے ذریعہ سے، جس کے

ساتھ وہ پورا پورا تعاون کر رہا تھا، اسلحہ اور روپے کی بہت بڑی مقدار حاصل کر لی۔ مارچ ۱۹۱۷ء کو اس نے یہ تمام ساز و سامان ایک خاص گاڑی کے ذریعہ سے روسی اور ولندیزی کامریڈوں کی ایک جماعت کے ہمراہ مشرقی جرمنی کی روسی سرحد تک پہنچا دیا۔ اس سامان کے انتظار میں ہزاروں یہودی سپاہی، جو زار کی فوجوں سے فرار اختیار کر چکے تھے، ٹراٹسکی کی معیت میں پہلے سے موجود تھے چنانچہ ان سپاہیوں کو اسلحہ سے لیس کر دیا گیا اور دستوں کی صورت میں یہ روس کے اندر گھس گئے۔ فریب خوردہ کسانوں کی بہت بھاری تعداد بھی ان دستوں میں شامل ہوگئی اور یہ شہروں پر یکبارگی حملہ آور ہو گئے، آبادیوں کی آبادیاں انہوں نے ملیا میٹ کر دیں۔ شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بالآخر کہ سلطنت کی بساط الٹ دینے کے بعد وہاں لینن کی صدارت میں مارکسی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مارکسزم کے علم برداروں کا یہ پہلا منصوبہ تھا جس پر عملد رآمد ہوا۔ (ملاحظہ ہو ''خفیہ دستاویزات'' (برلن) ۱۹۱۷ء۔ ۱۹۲۰ء یہودی بنکوں اور سرمایہ داروں نے بالشویک انقلاب میں صہیونی تحریک کے ارکان کی دل کھول کر امداد کی اس امداد کی مجموعی مقدار ۲۵ ملین اسٹرلنگ پونڈ تھی۔ بالشویک کے قائدین یہود تھے۔)

بالشویک انقلاب نے کامیابی کے بعد سب سے پہلا جو کام انجام دیا وہ یہ تھا کہ روس کو جنگ سے الگ کر لیا۔ یہ موقف جرمنی کے حق میں بڑا مفید ثابت ہوا، جرمنی کی جو فوجیں مشرق میں روسی محاذ پر جنگ لڑ رہی تھیں وہ فارغ ہوگئیں اور قیصر نے ان سے مغربی محاذ کو مضبوط کر لیا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں لینن کی بالشویک حکومت نے ٹراٹسکی کو بھیجا تا کہ جرمنی کے ساتھ صلح کے معاہدہ پر دستخط کرے۔ چنانچہ بریسٹ لیٹووسک کے مقام پر اس معاہدہ پر روس کی طرف سے دستخط کیے گئے۔

فلسطین میں بالشویک انقلاب کا کردار

روس میں مارکسی حکومت کو جنم لیے ابھی دو سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ لینن نے ٹراٹسکی کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ اسمین اور صہیونی لیڈروں نے لینن کے ساتھ مل کر جو منصوبہ تیار کیا ہے اُس کے مرحلۂ اول کو عدم سے وجود میں لایا جائے۔ چنانچہ فلسطین کے اندر مارکسی نظریات کی بنیادوں پر ایک یہودی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کرنے کے لیے بالشویک حکومت نے دو یہودی لیڈروں کا ایک وفد بھیجا جو جاک شابیلیو اور راوول کارنبرگ پر مشتمل تھا۔ ان کے پیش نظر اس علاقے میں کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل تھی جو بظاہر جاگیرداری، قدامت پرستی اور سامراج کا قلع قمع کرنے کو اپنا شعار بنائے۔ مگر دراصل اس پردے میں شرقِ اوسط کے اندر سائنٹفک سوشلزم (مارکسزم کو اصطلاحاً سائنٹفک سوشلزم یا انقلابی سوشلزم کہا جاتا ہے) کے اصولوں کا پرچار کرے۔ ۱۹۱۹ء میں یہودی کمیونسٹوں پر مشتمل یہ پارٹی فلسطین کے اندر قائم کی گئی اور یہودی کمیونسٹوں کے ذریعہ سے کارل مارکس کی تعلیمات ہمسایہ ممالک میں پہنچنی شروع ہوگئیں۔ سات سالوں کے اندر عرب ممالک میں چار کمیونسٹ پارٹیاں قائم ہوئیں: مصر ۱۹۲۱ء، شام ۱۹۲۴ء، لبنان ۱۹۲۵ء، عراق ۱۹۲۷ء۔

۱۹۲۰ء میں ماسکو سے ولاڈیمیر گابوٹنکی نامی ایک یہودی کمیونسٹ کو جس نے انقلاب کے دوران پیٹر برگ (لینن گراڈ) پر حملہ کرنے والے سرخ دستوں کی قیادت کی تھی اور ہزارہا انسانوں کا خون بہایا تھا، فلسطین بھیجا گیا۔ اس کمیونسٹ یہودی کے ذمہ یہ مشن تھا کہ وہ یہودی نوجوانوں کو تربیت دے اور ایک ایسی بٹالین تشکیل کرے جو یہودیوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دے۔ اس شخص نے فلسطین میں آ کر جگہ جگہ تربیتی کورس شروع کر دیے مگر جب ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں بیت المقدس اور یافا میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان فسادات برپا ہوئے تو فلسطین کی حکومتِ انتداب نے حالات کو مزید کشیدگی سے روکنے کے لیے جابوٹنکی کو فلسطین سے نکال دیا۔

بالشویک حکومت نے یہودیوں کے لیے زمینیں خریدیں

اوپر ہم نے جس کمیٹی کا ذکر کیا ہے اس نے دس لاکھ سنہری پونڈ (زار کا سکہ) صرف اس کام کے لیے مخصوص کر دیے کہ فلسطین کے اندر روس کے اشتراکی یہودیوں کے لیے زمینیں خریدی جائیں۔ زار کا ایک سنہری پونڈ عثمانی سلطنت کے پانچ پونڈوں کے برابر ہوتا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں اس کمیٹی نے ایک دو رکنی وفد تشکیل دیا، جو زانورین ماٹولیکی اور سالاٹوف پر مشتمل تھا اور اسے فلسطین بھیجا تا کہ وہ ان یہودی مہاجروں کی آباد کاری کے لیے زمینیں خریدنے کے لیے مسئلے کا جائزہ لے، جو مختلف مراحل میں روس سے ہجرت کر کے

فلسطین میں آباد کیسے جائیں گے۔ یہودی ایجنسی کی مدد سے اس وفد نے فلسطین کے تمام ساحلی اور کوہستانی علاقوں کا دورہ کیا اور ان کے جغرافیائی حالات اور زمینوں کی اقسام اور قابل کاشت رقبوں کا سروے کیا اور پھر یہودی ایجنسی کے ماہرین کے اشتراک سے ایک مکمل رپورٹ تیار کرکے نقشوں سمیت لینن اور ٹراٹسکی کو پیش کی۔ (ملاحظہ ہو کتاب: ''ارض موعود کی طرف'' از پروفیسر زانڈا مطبوعہ پراگ، ۱۹۳۷ء)

فلسطین کے اکثر یہودی کمیونسٹ ممالک سے آئے ہیں

مرحلۂ اول میں جو ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک جاری رہا، روس سے ہجرت کرکے فلسطین آنے والے یہودیوں کی تعداد ایک لاکھ ۶۵ ہزار تھی۔ ان میں وہ چوٹی کے فوجی افسر بھی تھے جو بالشویک انقلاب کے سرخ دستوں کے اندر کام کرچکے تھے۔ مشرقی یورپ اور جرمنی (ہٹلر کے عہد میں) سے آنے والے یہودی اس تعداد کے علاوہ تھے۔ ان کی کل تعداد ۲ لاکھ ۸۰ ہزار تھی۔ برطانوی انتداب کے دور میں فلسطین میں آکر بسنے والے یہودیوں کا تمام تر دارومدار ان بے پناہ سہولتوں پر تھا جو انتداب کی حکومت یہودیوں کے لیے فراہم کرتی تھی اور یا اُن مالی امدادوں پر تھا جو دنیا کی صیہونی اور یہودی انجمنیں مسلسل پیش کر رہی تھیں۔ ایسی انجمنوں کی تعداد صرف یورپ میں ۴۳ تھی۔ متحدہ امریکہ میں ۵۸ اور لاطینی امریکہ میں ۱۹۔ علاوہ ازیں یہودیوں کے بنک اور تجارتی ادارے اپنے سالانہ آمدنیوں کا ایک حصہ بھی اس غرض کے لیے مخصوص کر رہے تھے اور فلسطین کی یہودی ایجنسی کے امدادی فنڈ کو مضبوط کر رہے تھے۔

یہودیوں کی آباد کاری کے لیے اکثر سرمایہ کمیونسٹ ممالک نے فراہم کیا

اس معاملہ میں برطانوی سامراج اور اشتراکیت کے درمیان ملی بھگت کا عجیب منظر ہمارے سامنے آتا ہے۔ برطانوی حکام نے دورِ انتداب میں فلسطین کے دروازے یہودیوں کے لیے چوپٹ کھول کر صیہونی تنظیموں کو یہ ہمت دلادی کہ وہ یورپ کے یہودیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں لاکر فلسطین میں آباد کریں اور ان زمینوں کا انہیں مالک بناتے جائیں جو یہودی ایجنسی انتداب کی مدد سے حاصل کر رہی تھی یا عرب باشندوں کو بھاری قیمتوں کا لالچ دے کر ان سے خرید رہی تھی۔ دوسری طرف اگر ہم ان اعلامیوں کو دیکھیں جو پیرس، زیورچ اور ایمسٹرڈیم میں دوسری جنگ عظیم سے پہلے یہودی اداروں کی طرف سے جاری کیے گئے تھے۔ اور پروفیسر زانڈا کی مشہور کتاب ''ارض موعود کی طرف'' (مطبوعہ پراگ ۱۹۳۷ء) اور ارمانڈ شینٹر کی تالیف ''اسٹالن سے وائسمین تک'' (مطبوعہ پیرس ۱۹۳۹ء) کا مطالعہ کریں تو ہمیں بآسانی معلوم ہوجائے گا کہ وہ بھاری بھرکم سرمایہ جو فلسطین کے اندر یہودیوں کے قدم جمانے، ان کے لیے زمینیں خریدنے کالونیاں قائم کرنے اور مثالی بستیاں آباد کرنے کے لیے ۱۹۳۹ء تک مختلف ممالک سے فراہم کیا گیا اس کا ملک وار تناسب یہ تھا:

سوویت یونین سے	۴۰ فی صد
مشرقی یورپ سے	۲۸ فی صد
مغربی یورپ سے	۱۶ فی صد
متحدہ امریکہ سے	۱۹ فی صد
لاطینی امریکہ سے	۴ فی صد

برطانوی انتداب کے دور میں عربوں کی مجاہدانہ کوشش

اس مرحلہ میں صیہونی سیلاب کو روکنے کے لیے عربوں کی طرف سے غیر معمولی مخالفت کی گئی۔ انہوں نے ظالمانہ استعماری سیاست کا بھرپور مقابلہ کیا اور صیہونی منصوبوں کا سامنا کیا۔ اس دور میں عربوں کی تحریک مقاومت ایمان اور جہادِ اسلامی کی روح سے لبریز تھی اور الحاج امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین کی قیادت میں کام کر رہی تھی۔ اس مرحلے میں عربوں کی طرف سے تین مرتبہ انقلابی کوششیں عمل میں آئیں۔ ایک ۱۹۲۰ء میں دوسری ۱۹۲۹ء میں اور تیسری جو فلسطین کی ''بغاوت عظمیٰ'' کے نام سے یاد کی جاتی ہے ۱۹۳۶ء میں۔

برطانیہ کا قرطاسِ ابیض

یہ بات قابل ذکر ہے کہ میونخ کانفرنس کے بعد جو ۱۹۳۸ء میں عالمی امن کی بحالی کی خاطر ہٹلر کے ساتھ اختلافات رفع کرنے کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی برطانیہ اور فرانس دونوں نے ملی بھگت کرکے مشرقِ اوسط سے متعلق نیا منصوبہ وضع کیا اور اپنی سابقہ پالیسی کے اندر بنیادی تبدیلیاں طے کیں۔ ان نئی تبدیلیوں کی وجہ دو بنیادی امور تھے:

اولاً: برطانیہ اور فرانس کے سربراہوں

(چیمبرلین اور ڈالاڈے) کو یقین ہوگیا کہ ہٹلر کسی حد پر رکنے والا نہیں ہے اور دوسری جنگ لامحالہ چھڑ کر رہے گی۔

ثانیاً: دونوں نے یہ محسوس کرلیا کہ مشرق عربی کی شورشیں اور اضطرابات اس وقت تک اطمینان بخش حالات میں تبدیل نہیں ہوسکتیں جب تک عرب اقوام کی خواہشات کے تحت ان حالات کی اصلاح نہیں کی جاتی۔

چنانچہ حکومت برطانیہ نے اس فیصلے کے بعد بلا تاخیر ۱۹۳۹ء میں قرطاس ابیض شائع کر دیا اور فلسطین کے بارے میں اپنی نئی سیاست کی یہ بنیادیں وضع کیں:

۱۔ برطانیہ اس اصول کو تسلیم کرتا ہے کہ دس سال کے اندر اندر ''فلسطینی ریاست'' قائم کی جائے۔

۲۔ عوامی انتخاب کی بنیاد پر ایک مجلسِ قانون ساز کی تشکیل کی جائے گی۔

۳۔ مخصوص علاقوں کے اندر یہودیوں کے ہاتھ زمینوں کی فروخت ممنوع ہوگی، یہ علاقے فلسطین کے مختلف حصوں میں نشان زدہ کردیئے گئے ہیں۔

۴۔ یہودی ہجرت کی تحدید (یعنی فلسطین میں داخل ہونے والے یہودی مہاجروں کی سالانہ تعداد معین کردی جائے گی۔)

قرطاس ابیض کی منسوخی

عربوں نے ابتداءً اس قرطاسِ ابیض کی اسکیم کو قبول کرنا چاہا۔ مگر حکومتِ برطانیہ نے اس کے نفاذ کو حالات کی مناسبت کے ساتھ مشروط کردیا۔ چنانچہ اس شرط نے اور ''یہودی ہجرت کی تحدید'' کے فقرے نے عربوں کی نگاہ میں برطانوی حکام کی نیتوں اور جدید برطانوی سیاست کو مشکوک کردیا۔ آخر کار عربوں نے پہلے قرطاسِ ابیض کو مسترد کردینے کا فیصلہ کیا اور پھر اس کو تسلیم کرکے اس کی تنفیذ کا مطالبہ کیا۔ یہودی حلقوں کے اندر قرطاس ابیض سے کھلبلی مچ گئی۔ لیکن ان کی یہ کھلبلی بہت جلد اطمینان میں تبدیل ہوگئی۔ جب انہیں یہ خوشخبری ملی کہ قرطاسِ ابیض ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو حاییم وائسمین کی ڈائری {لندن اور یہودی ایجنسی کی خفیہ مراسلت})

اس پوری تاریخ کے بطن میں کچھ ایسے حقائق موجود ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں اور جنہیں ایسے خفیہ ہاتھ نے مستور کر رکھا ہے، جس کے پیچھے ایک ایسی چھڑی کام کر رہی ہے جو حالات سے ہر وقت ناجائز استفادہ کرتی رہی ہے اور انہیں اپنی منشا کے مطابق ڈھالتی رہی ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے ذرا پس پردہ جھانک کر دیکھنا چاہیے۔

روس کی صدارتی کونسل میں یہودی اثرات

آج ہم جن واقعات سے دو چار ہیں، ان کا سلسلہ ماضی کے واقعات و حالات سے مربوط ہے، لہٰذا ہمیں جمعیتِ اقوام کے گذشتہ ریکارڈ کا مطالعہ کرنا ہوگا کیوں کہ یہی ریکارڈ قضیۂ فلسطین کی تاریخ کے دوسرے اور تیسرے باب کو مکمل کرتا ہے۔ اس کا پہلا باب ان بین الاقوامی سازشوں پر مشتمل ہے جن کے ہیرو صہیونی سرمایہ دار اور وہ یہودی کمیونسٹ اور انقلاب پسند تھے جنہوں نے روس کے اندر کمیونسٹ اسٹیٹ کی تاسیس کی۔ اُمید ہے کہ یہ حقیقت اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہوگی کہ لینن کے عہد میں صدارتی مجلس کی اکثریت یہودی ممبروں پر مشتمل تھی۔ اسٹالن کے دور میں خود اسٹالن اور مولوٹوف اور فوردشیلوف کے ماسوا، اس مجلس کے باقی تمام ارکان یہودی تھے۔ خردشچیف سے لے کر کوسیجن کے حالیہ عہد تک مجلس کے نصف ارکان یا تو خالصتہً یہودی ہیں یا یہودی الاصل ہیں۔ بلکہ مشرق یورپ کے جن ممالک میں اشتراکی نظام قائم کیا گیا ہے وہاں کی مشاورتی کونسلوں اور انتظامی مجالس کے اندر یہودی اشتراکیوں کا غلبہ ہے۔ رومانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، ہنگری، پولینڈ، چیکوسلواکیہ کے اندر یہودیوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے جو کلیدی آسامیوں پر قابض ہے۔

فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کی تاسیس سے پہلے کے مرحلے میں جو بات زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں فلسطین برطانوی انتداب کے تحت تھا، اور یہودی مار دھاڑ کرکے اسے اپنے قبضے میں لانے کی تیاری کر رہے تھے اس وقت انہوں نے باقاعدہ فوجی یونٹ بنالیے تھے۔ ان یونٹوں میں اکثریت جن یہودیوں کی تھی وہ روس، یوگوسلاویہ، رومانیہ اور پولینڈ کے مہاجر تھے جو فلسطین میں آباد کیے گئے تھے اور بیشتر تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو اس یہودی بٹالین میں رہ چکے تھے جس نے برطانوی فوج کے دوش بدوش العالمین اور صحرائے لیبیا کی جنگ میں جرمن اور اطالوی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی یہودی بٹالین کے افسروں میں سے ایک موشے دایان اور دوسرا اسحاق رابین تھا۔ اول الذکر آج اسرائیل کا وزیر جنگ اور ثانی الذکر اسرائیلی افواج کا کمانڈر انچیف (۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۴ء)۔

☼☼☼

عید کا پیغام

مجاہد خاں بھساول

جس دن کا انتظار بچے، خواتین اور نوجوان بڑی شدت سے کرتے ہیں۔ آج وہ دن آ گیا۔ آج عیدالفطر ہے۔ **تقبل اللہ منا و منکم صالح الاعمال اللہ رب العالمین** ہمارے اور آپ سب کے نیک اعمال، جو رمضان میں کیے ہیں اس کو قبول فرمائے۔ اور اللہ رب العزت کی رضا کیلئے ہم نے جو روزے رکھے اور عبادتیں کیں وہ اسے قبول فرمائے اور اجر عظیم عطاء فرمائے۔

اللہ رب العالمین روزے جیسی عظیم عبادت کے بارے میں فرماتا ہے۔ ”**الصوم لی و انا اجزی بہ**“ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر ہوں۔ اس سے بڑھ کر ایک مومن کی تمنا کیا ہو سکتی ہے کہ محبوب کی محبت و طلب میں اس نے جو دن رات کی مشقتیں برداشت کی آج وہ اسے یہ کہہ کر بیش بہا خزانہ، متاع دنیا و آخرت عطاء کر رہا ہے کہ تو نے جو کچھ کیا اس کا اجر میں خود ہوں۔ گویا جس پھل کی تمنا میں پورے ماہ تگ و دو کی وہ پھل جھولی میں آ گرا ہے اور آج کا دن اسی پھل کو پانے کا اور پھر اس پر خوشی و مسرت جتانے کا دن ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ سیدنا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے) مدینہ تشریف لائے تو مدینہ والوں کے یہاں دورِ جاہلیت میں سے دو دن ایسے تھے جن میں وہ لوگ کھیل کُود کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں جب تم لوگوں کے پاس آیا تو تم لوگوں کے لیے دو دِن تھے جن میں تم لوگ کھیل کُود کرتے تھے، اللہ نے تم لوگوں کو ان دو دِنوں کے بدلے میں ان سے زیادہ خیر والے دو دِن فطر کا دِن اور اضحیٰ کا دِن دے دیا ہے۔“ (مسندِ احمد)

رمضان اپنی تمام انوار و برکات اور خیر و بھلائی کو لے کر ہم سے رخصت ہو چکا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جنہیں اللہ رب العزت نے رمضان عطاء کیا ورنہ نہ جانے کتنے ہمارے اپنے ہمیں اس رمضان سے پہلے چھوڑ کر چلے گئے۔ احترام کے لائق ہیں وہ مومنین جنہوں نے اس ماہِ قرآن میں قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کا حق ادا کیا۔ اس پر عمل کرنے اور اس کو اپنی زندگی و معاشرے میں نافذ کرنے کا عہد کیا ورنہ بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے رمضان جیسے بابرکت مہینے میں بھی قرآن کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ مرحبا ہے ان سعید روحوں کو جنہوں نے لیلۃ القدر کو پایا اور ہزار مہینوں کی نیکیاں سمیٹ لیں ورنہ بہت سے ایسے ہیں جو اس بابرکت رات میں بھی غفلت کی نیند سوتے رہے۔ لیکن کیا کہنا ہے ان سخی لوگوں کو جنہوں نے اپنے مال کو خوب خوب اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کیا۔ ورنہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی کوتاہی اور بخیلی نے انہیں اس بار بھی رضاء خداوندی سے دور رکھا۔ خوش نصیب ہیں وہ فرزندانِ اسلام و علم بردارانِ توحید جنہوں نے ماہ رمضان المبارک کا کچھ اس طرح اہتمام کیا جس کا یہ مہینہ متقاضی ہے۔ گزشتہ ایک ماہ کے دوران ہم نے جو اپنے دل میں خشوع و خضوع پیدا کیا، نمازیں، روزے، عبادات و اذکار، اور تلاوتِ قرآن کا جو اہتمام کیا تھا وہ خود ہمارے لئے سعادت کا باعث اور دنیا و آخرت دونوں میں ہماری سرخروئی کا وسیلہ بنا ہے۔ دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی کا جو جذبہ ہم میں اللہ رب العزت کی مرضی و منشا سے پیدا ہوا تھا وہ بے مثال تھا اور اس کے نتیجہ میں دوسروں کی مدد ہوتی رہی ہے۔ ہم نے مساجد کو آباد رکھا تھا اپنے گھروں کو رمضان کی برکات سے فیضیابی

بخشی تھی اور اپنے قلوب کو یادِ الٰہی سے منور کیا تھا اور آج اسی ایک ماہ کی عبادتوں اور ریاضتوں کا صلہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں عید الفطر کی صورت میں عطاء کر رہا ہے۔ ہمیں عید الفطر کے اس موقع سے عہد کرنا چاہیے کہ ہم نے جس طرح سے اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کو بھی روشن کرنے اور اسے سدھارنے کی حتی الامکان جو کوششیں کی ہیں اسے سال بھر برقرار رکھیں گے ان شاء اللہ۔

عید کے دن ''اللہ اکبر'' کی جو صدائیں ہم نے بلند کی یہ صدا اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے، جب ہم'' اللہ اکبر'' کی صدائیں بلند کر رہے ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہم یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ بڑا ہے اور روس و امریکہ چھوٹا ہے، اللہ کی شریعت بڑی ہے اقوام متحدہ اور ملک کا آئین و قانون چھوٹا ہے، اللہ بڑا ہے، اکبر ہے اور اس زمین پر اسی بڑے اور اکبر کا حکم چلے گا کسی اور کو اس کا حق نہیں کہ حاکمیت کا دعوی کرے۔ مگر جب بھی شعور و آگہی کے ساتھ یہ نعرہ لگایا گیا تو اس تحریک کو آتش و آہن کے زور سے زمین تلے دبانے کی کوششیں کی گئیں، زندانوں کو ان کا مسکن، پریشانی و غم کو ان کا مقدر بنا دینے کی سازشیں کی گئیں۔ اور یہ سب اس لیے کہ کہیں اس زمین پر محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نہ نافذ ہو جائے۔ ایسی شریعت کہ جب وہ نافذ ہو تو حقیقی عید بن جائے۔ کوئی گھر خوشیوں سے خالی نہ ہو، کوئی سہاگ ظلم کا نشانہ بن کر اجڑا نہ ہو، کوئی بیوہ اپنے بھوکے بچوں کو عید کے دن بھی گھر کے اندر ہی نہ روکے رہے۔ لیکن کفریہ نظریات کی حامی حکومت، ان کی محافظ فوج، شریعت کی دشمن فرقہ پرست عوام کہاں چاہتے ہیں کہ دنیا سے غموں کا خاتمہ ہو جائے اور حقیقی عید یعنی خوشیوں کی نوید ثابت ہو!!!!!

باطل طاقتوں اور اس کے مقامی آلہ کاروں سے نجات اور اہلِ ایمان کو حقیقی عید عطا کرنے کے لیے آج بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بہت دور ہیں۔ کسی اجڑی بستی میں، کسی صحرا و کہسار میں، کسی جنگل و بیابان میں، اپنے علاقے سے دور کسی مسجد و مدرسے میں، کسی دعوت و جہاد کے میدان میں، دین و شریعت کے نفاذ کی محنت میں۔ بس اپنی عیدوں میں، خوشیوں اور مسکراہٹوں میں ان کو بھی یاد رکھیے گا۔

ایک شاعر کے شعر میں تصرف کے ساتھ:

اپنی سانسوں میں آباد رکھنا انہیں
وہ رہیں یا نہ رہیں یاد رکھنا انہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کے مطابق اپنی عیدوں کو تکبیر سے با رونق بنائیے۔ (رواہ الطبرانی فی الصغیر) اللہ اکبر کی وہ صدا جس سے کافروں پر لرزہ طاری ہو جائے اور اہلِ ایمان کے سینے راحت و فرحت سے لبریز ہو جائیں۔ اللہ اکبر کی صدا لگائیے، عید گاہ میں بھی اور رزم گاہ میں بھی۔ اللہ اکبر کہیے اقتدار کے ایوانوں میں بھی اور گلی محلے میں بھی۔ اللہ اکبر کی وہ صدا جو بدر و احد میں لگی تھی، جو مدینہ و بغداد اور دمشق و استنبول اور قندھار و دہلی میں حاکم تھی۔ وہی صدا جو آج سے قبل لگاتے لگاتے وقت کا امامِ برحق اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا اور اپنی محنتوں سے برِّ صغیر میں نفاذِ شریعت کی اس محنت کو دوبارہ زندہ کر گیا تھا جس کا پودا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خانوادے کا چشم و چراغ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے تاریخی فتوے سے لگا گئے تھے۔ وہ پودا جس کی آبیاری سید احمد اور شاہ اسمٰعیل اپنے خون سے کر کے سیدین شہیدین قرار پائے۔ جس تن آور درخت کی حفاظت ملا محمد عمر نے، تو کبھی بن لادن نے کی اور آج یہ صدا ہمیشہ سے زیادہ بلند، بشاشت، ہمت اور عزم و حوصلے کے ساتھ لگائی جا رہی ہے۔

یہی ایک تکبیر ہے جس کو نافذ کرنے کے ساتھ رحمان کی رضا و جنت کے وعدے ہیں اور شیطان اور اس کے لشکروں کی دنیا و آخرت میں ہزیمت لکھی ہے۔ اللہ پاک ہمیں اپنے دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین۔

بلاشبہ عید سعادت و خوشی کا موقعہ ہے۔ رونقوں، مسکراہٹوں، دمکتے چہروں، نئے نئے اجلے کپڑوں، لذیذ پکوانوں، مٹھائیوں اور اللہ پاک کی کروڑ ہا دیگر نعمتوں سے متمتع ہونے کا موقعہ ہے۔ عید کے دن بشاشت سنتِ نبویؐ ہے۔ اور اسی بشاشت و مسکراہٹ اور خوشی و سعادت کو مسلم معاشرے میں عام کرنے کے لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر کو عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینے کا حکم ہے۔ تاکہ جو چولہے آج کے دِن بھی ٹھنڈے ہیں وہاں آگ جل جائے۔ جن چہروں پر آج بھی غم کی پرچھائیاں پڑی ہیں وہاں بھی زندگی کی لہر دوڑ جائے۔ امیر و غریب، مفلس و غنی سب ہی اس عید کی خوشیوں میں یوں شریک ہوں کہ اہلِ جنت کی محفل کا سا سماں بندھ جائے۔ بلاشبہ اللہ کی شریعت کے ہر حکم میں خیر ہی خیر اور حکمتیں ہی حکمتیں پنہاں ہیں۔

لیکن ہماری عید بھی گویا اِک فریبِ دید ہے ۔نظر کا دھوکہ ہے،اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پاکیزہ شریعت کا نفاذ غائب ہے ۔اسلام کے اصولوں کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں ۔مسلمان پوری دنیا میں بے سروسامانی، کسم پرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں ۔ لاکھوں مسلمان قیدیوں کی عید کی کوئی صورت نہیں ،جنگوں کی وجہ سے ہزاروں یتیم بچے اپنے والد کا انتظار کرتے ہوئے دروازے کی چوکھٹوں کو تکتے ہیں ،سیکڑوں مائیں اپنے شہید بچوں کی قبر پر آنسوں بہا کر لوٹ چکی ہیں ۔مسلمانوں کی اپنی زمینیں جو صحابہؓ کی وراثت ہیں ،اور ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں سونا اگلتی ہیں ، آج امت کے پاس نہیں ہیں ۔

عید تو ان کی ہوتی ہے جو قید نہیں آزاد ہوں ۔

عید تو ان کی ہوتی ہے جو یتیم نہیں بلکہ صاحب والدین ہوں ۔

عید تو اس ماں کی ہوتی ہے جس کا بیٹا اس کے بڑھاپے کا سہارا ہوتا ہے ۔

عید تو اس کی ہوتی ہے جن کے پاس اپنی زمینیں، اپنا ملک ہوتا ہے ۔

حسن البناء شہیدؒ عید کے بارے میں کہتے ہے کہ ”مسلمانوں کی حقیقی عید اس وقت ہوگی جب مسلمانوں کی تمام زمینیں آزاد ہونگی ۔“

اللہ سے دعاء ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو شریعتِ مطہرہ کی بہاریں دکھائے، وہ دن جلد لائے جب ہم ایک ایسی زمین پر حقیقی اور خوشیوں بھری عید منائیں جہاں اللہ پاک کی پاکیزہ شریعت نافذ ہو، جہاں امن و امان ہو، جہاں کوئی قید نا ہو اور نبوی پیشن گوئی کے مطابق دنیا میں دوبارہ خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو چکی ہو ۔آمین یا ربّ العالمین ۔

اللہ تعالیٰ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہو ۔دعا کرتے ہیں کہ آئندہ عیدیں اسلامی حاکمیت کے نفاذ اور مکمل استقلال کی فضاء میں ہمارا استقبال کریں ۔آمین ☼☼☼

غزل

سرفراز بزمیؔ

سچ اکیلا رہا بے سہارا رہا جھوٹ بکتا رہا حسنِ تدبیر سے
بولتیں ہیں مشینیں بھی جے رام کی سامری تیرے جادو کی تاثیر سے

دیکھ کر ان کی تصویر ایسا لگا وہ ہلے لب وہ پلکیں جھکیں وہ چلے
اپنے سر پر غبارِ محبت لئے کوئی باہر نہ آجائے تصویر سے

رخ پہ زلفیں گھٹا بن کے چھانے لگیں اور آنکھوں سے ساون برسنے لگا
دفعتاً کتنے بسمل تڑپنے لگے ان نگاہوں کی خاموش تاثیر سے

روح سے روح میں گھل گئی روشنی تیرے میرے کا اب فرق باقی نہیں
اس کی آنکھوں میں گویا مرا نور ہے اور منور ہوں میں اس کی تنویر سے

قائدِ محترم تیرے قربان ہم، ان سروں کی قسم جان دے دینگے ہم
کانپتے ہیں اندھیرے ترے نام سے ، تیرے کردار سے، تیری تکبیر سے

پھر برسنے لگا بادلوں سے لہو، آتشِ گل جلانے لگی بستیاں
ہم کو صدیوں کی بزمیؔ غلامی ملی چند لمحوں کی چھوٹی سی تقصیر سے

تحریک شہیدین کے کارنامے

اسامہ عظیم فلاحی

تحریک شہیدین برصغیر کی تمام اسلامی تحریکات کی ماں ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور انکے خانوادے نے جو اصلاح وتجدید کا کام شروع کیا تھا اس کا عروج تحریک شہیدین ہے۔

شاہ صاحب کے زمانے میں ایک طرف بھارت میں مغلیہ سلطنت اپنے زوال کی انتہا کو پہنچ رہی تھی تو دوسری جانب مسلمان صرف نام کے مسلمان نظر آتے تھے، ہندوانہ رسوم و رواج اور تہذیب مسلم سماج کو جکڑے ہوئے تھی۔ایسے وقت میں آپ نے انتہائی جرأت اور فراست کے ساتھ اصلاح وتجدید دین کے کام کا آغاز کیا۔ شاہ صاحب کی کوشش اتنی نتیجہ خیز ہوئی کہ آگے چل کر یہ کوشش تحریک شہیدین کی شکل میں ایک گھنے اور تناور درخت کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔

علامہ سید سلیمان ندوی تحریک شہیدین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سید صاحب کے خلفاء ہر صوبے میں اور ولایت میں پہنچ چکے تھے اور اپنے اپنے دائرے میں تجدید، اصلاح اور تنظیم کا کام انجام دے رہے تھے، مشرکانہ رسوم مٹائے جا رہے تھے، بدعتیں چھوڑی جارہی تھیں، نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن رہے تھے، جو مسلمان نہ تھے وہ بھی اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے، شراب کی بوتلیں توڑی جارہی تھیں، تاڑی اور سیندھی کے خم پھوڑے جارہے تھے، بازاری فواحش کے بازار سرد ہو رہے تھے اور حق وصداقت کی بلندی کے لیے علماء حجروں سے اور امراء ایوانوں سے نکل نکل کر میدان میں آرہے تھے، اور ہر قسم کی ناچاری، مفلسی اور غربت کے باوجود تمام ملک میں اس تحریک کے سپاہی پھیلے ہوئے تھے اور مجاہد تبلیغ اور دعوت میں لگے ہوئے تھے۔''

تحریک شہیدین کے کارناموں کے ذکر سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس تحریک سے قبل ہندی مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی حالات مختصراً جان لیں۔

(الف) مذہبی حالت:

بھارت میں اسلام سیکنڈ ہینڈ پہنچا۔ایران اور افغانستان کا چکر کاٹ کر جب اسلام بھارت میں پہنچا تو اس کی شکل کافی بدل چکی تھی جس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان مکمل طور سے سابقہ جاہلی رسومات سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکے تھے۔ چنانچہ اکبر کے عہد تک مسلمانوں کی دینی حالت نہایت خراب ہو چکی تھی۔شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات میں سے ایک اہم مکتوب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:''ایک صدی میں اسلام کی غربت اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ اہل کفر اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا اعلانیہ اسلامی شہروں میں اجراء ہوجائے، وہ تو چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیے جائیں اور مسلمانوں اور اسلام کا کوئی اثر باقی نہ رہے، بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے''۔فرائض وعبادات سے غفلت تھی،اس لئے کہ زندگی میں مقررہ مجلسیں، بزرگوں کے کھانے،مرنے کے بعد قرآن خوانی،فاتحہ،قل، سوم، تیجہ،چالیسواں اور سب سے بڑھ کر پیر کا وسیلہ نجات کے لئے کافی تھا حتی کہ سلام مسنون کی رسم بھی اٹھ گئی تھی۔ایک سقے

نے جامع مسجد کے زینے پر بادشاہ عالمگیر کے نزدیک آ کر السلام علیکم کہا تو حکم ہوا کہ کوتوال کے حوالے کیا جائے۔

(ب) اخلاقی حالت

دہلی اور لکھنؤ میں حرم سرائیں تھیں جس میں سینکڑوں عورتیں ہوا کرتی تھیں۔ انیسویں صدی کے آغاز میں متعدد مسلمان عورتیں یورپین تاجروں اور حکام کے گھروں میں تھیں، انگریزوں نے اپنے سفرناموں اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ دین سے غفلت روز افزوں تھی، مگر آنکھوں میں حیا اور دلوں میں گداز باقی تھا، شعائر اللہ کا احترام رخصت نہیں ہوا تھا۔ فسق وفجور پر اصرار اور معاصی ومحرمات کے اظہار واعلان کا رواج نہیں ہوا تھا۔

(ج) سیاسی حالت

پلاسی اور بکسر کی جنگوں کے بعد بھارت کا بڑا حصہ انگریزوں کے ہاتھ میں جا چکا تھا۔ 1765 تک بادشاہ شاہ عالم کے پاس صرف صوبہ الہ آباد رہ گیا تھا اور اس کی آمدنی میں وہ روپیہ تھا جو انگریز اس کو دیتے تھے۔ 1799 میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد رہی سہی امید بھی ختم ہوگئی تھی اور عملاً 1802 میں پورے بھارت پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا جس کے بعد شاہ عبدالعزیز نے بھارت کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ یہ وہ حالات تھے جس کے پس منظر میں 1826 میں تحریک شہیدین باقاعدہ وجود میں آتی ہے۔ تحریک کا آغاز سید احمد شہید کے ذریعے ہوتا ہے اور کچھ ہی مدت بعد شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی صاحبان کی شرکت سے اس تحریک کو بہت طاقت مل جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں بہت بڑے عالم دین تھے۔

دعوت و اصلاح کی ہمہ گیر اور منظم دعوت پہلے پہل سید صاحب نے امیر خان کی فوج میں شمولیت اختیار کی جہاں جنگی فنون پر مہارت حاصل کی اور وہاں رہ کر سپاہیوں کی اصلاح کی بھر پور کوشش کی۔ جب تحریک کا قافلہ بڑھا تو تبلیغی اسفار شروع ہوگئے۔ سید صاحب بنارس کی ایک مسجد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ وہاں دھوبی اور کنڈی گر مسلمان آئے اور وعظ سننے لگے، ان مسلمانوں کے ایک پیر تھے، انہوں نے سنا تو آئے اور سید صاحب سے ملاقات کی اور یہ حقیقت بتائی۔

''حضرت سلامت! ہماری تو وجہ معاش یہ ہے کہ تمام مریدوں کی یہاں ششماہی مقرر ہے، کوئی روپیہ کوئی دو روپیہ، کوئی کم کوئی زیادہ دیتا ہے اور یہ لوگ پیشہ ور ہیں ان سے پنج وقتہ نماز کہاں ہوسکتی ہے؟ اسی کی معافی میں یہ ہمیں کچھ روپیہ پیسہ دے جاتے ہیں''۔ (سیرت سید احمد شہید، ص 189)

لکھنؤ میں ایک دفعہ مولانا عبدالحئ صاحب نے قرآن مجید کی آیت کی روشنی میں وعظ کیا۔ ان کی گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ داڑھی منڈوں نے رومال باندھ لیے، جنکے پاجامے ٹخنے سے نیچے تھے انہوں نے پھاڑ دیے اور برے اعمال سے توبہ کی۔

کلکتہ میں آپ کی اصلاحی کوششوں سے لوگوں نے ایسا شراب چھوڑی کہ دوکان داروں نے انگریز حکومت سے جا کر شکایت کی۔ کہا جاتا ہے کہ صرف تقویۃ الایمان سے دو سے ڈھائی لاکھ لوگ راہ راست پر آئے اور بدعقیدگی سے توبہ کی۔

تہذیبی ارتداد کی روک تھام

گومتی کے راج گھاٹ پر بانس والوں کی کئی دوکانیں تھیں ان میں سے ایک صاحب بیعت ہوئے تو انہوں نے سید صاحب کی دعوت کی۔ آپ گئے۔ گھر میں طاق میں مٹی کے کھلونے (جو بت کی شکل کے تھے) رکھے تھے، آپ کی نظر پڑ گئی، فرمایا، یہ بت ہیں، ان کو مشرک رکھتے ہیں، ان کو توڑ ڈالو، گھر سے دور کرو، خبردار پھر کبھی نہ لینا، پھر دیر تک شرک کی برائی کرتے رہے، یہ دیکھ کر ساری برادری نے مٹی کی مورتیوں اور کھلونوں کو توڑ کر پھینک دیا۔ اس زمانے میں رسومات کے نام پر شادی بیاہ میں ہندوانہ چیزیں شامل ہوگئی تھیں، ان رسومات پر قدغن لگی۔ کچھ مفتیوں نے ہندوانہ رسم کو عرف کا حوالہ دے کر بیوہ کی شادی نہ کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا، شاہ عبدالعزیزؒ اور کئی سرکردہ علماء نے اس فتویٰ کے خلاف مدلل لکھا بھی لیکن عملی طور پر سید صاحب نے اس قبیح رسم کو توڑا اور اپنی بیوہ بھاوج سے شادی کر کے ہزاروں بیواؤں کی شادیوں کی راہ ہموار کی۔ لڑکوں کو چیچک نکلتی تو شرک و بدعات کی خرافات کی جاتیں، اور کسی کو قریب نہیں ہونے دیا جاتا، نتیجتاً بہت سارے بچے مر جاتے، اس چیز کی اصلاح ہوئی اور بچے پہلے کی بنسبت کم مرتے۔ ان رسومات کو ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جب آپ بیعت لیتے تو ۳ چیزوں پر خصوصی توجہ دیتے۔ ہر قسم کے شرک سے اجتناب، نماز کی پابندی، ہندوانہ رسومات سے مکمل علیحدگی۔

عیسائی مشنریز اور ہندو تحریکات سے فکری و نظریاتی مقابلہ

انگریزوں نے بھارت میں اپنے اقتدار کے استحکام کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تبلیغ پر خصوصی توجہ دی۔ برطانیہ سے فوج در فوج عیسائی مبلغ آنا شروع ہوئے اور ہر گلی چوراہے پر مسلمانوں کو چیلنج دینا شروع کر دیا اور بعض کمزور اہل ایمان کو اپنے دام میں پھنسانے میں کامیاب بھی ہوئے۔ دوسری طرف ہندوؤں میں بھی بیداری پیدا ہوئی اور آریہ سماجیوں نے شدھی تحریک کا آغاز کر دیا۔ انکا نشانہ بھی مسلمان تھے۔ حکومت ہاتھ سے چھن جانے کے بعد لٹے پٹے مسلمانوں کے ایمان پر چوطرفہ ڈاکہ ڈالا جارہا تھا۔ عیسائیوں کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی حاصل تھی تو آریہ سماجیوں کو بھی کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ اس نازک موقع پر جن علماء نے آگے بڑھ کر محاذ سنبھالا وہ سب کے سب تحریک شہیدین کی پیداوار تھے جنہوں نے جان پر کھیل کر عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کو شکست فاش دی۔

اس وقت کے حالات کی تصویر کشی مولانا الطاف حسین حالی اس طرح کرتے ہیں۔

''ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا، مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قحط کے دوران میں انکو دبلا پتلا شکار پیٹ بھراؤ مل جاتا تھا، مگر وہ اس بات پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ فربہ (موٹا) شکار کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا، اس لیے ان کے منادیوں میں، ان کے اخباروں اور رسالوں میں زیادہ تر بوچھار اسلام پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور کچھ افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے۔ اس خطرہ سے بلاشبہ علماء اسلام جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان اور مولانا قاسم نانوتوی متوجہ ہوئے، انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں، اور ان سے بالمشافہ مناظرے کیے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔''

جذبہ جہاد و شہادت کی آبیاری

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''اعلم ان أتم الشرائع و أكمل النواميس هو الشرع الذی یؤمر فیه بالجهاد''

''یاد رکھو کہ مکمل ترین شریعت اور کامل ترین وہ قانون ہے جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو'' (حجۃ اللہ البالغہ)

عیسائیوں اور مشرکین سے کامیاب مقابلے کے لیے جذبہ جہاد و شہادت کا ہونا بہت ضروری تھا۔ سید صاحب نے اپنے پیروکاروں میں اس جذبہ کے فروغ کے لیے خصوصی توجہ دی جس کی وجہ سے ایک عظیم فریضہ، جس سے لوگ غافل تھے، زندہ ہوا۔ سید صاحب اس حقیقت سے واقف تھے کہ زبانی دعوت و تبلیغ جہاد کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ سادات، علماء و مشائخ و امراء ہندوستان کے نام خط میں لکھتے ہیں۔

''چونکہ زبانی دعوت و تبلیغ شمشیر و سناں سے جہاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اس لیے رہنماؤں کے پیشوا اور مبلغوں کے سردار محمد رسول اللہ آخر میں کفار سے جنگ کرنے کے لئے مامور ہوئے اور دینی شعائر کی عزت اور شریعت کی پابندی و ترقی اسی رکن جہاد کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی۔''

جہاد کا مقصد دنیا کا حصول نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا مطلوب ہے۔ علماء و رؤساء سرحد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''ہم نے اللہ کے لیے علم جہاد بلند کیا ہے، ہم مال و منال، جاہ و جلال، امارت و ریاست، حکومت و سیاست کی طلب اور آرزو سے آگے نکل گئے ہیں، خدا کے سوا ہمارا کوئی مطلوب نہیں۔''

جہاد کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ سید صاحب شاہ سلیمان کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اس تمام معرکہ آرائی اور جنگ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، رسول اللہ کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ایک ملک کفار و مشرکین کے قبضے سے نکل آئے، اس کے سوا کوئی مقصود نہیں۔'' (سیرت سید احمد شہید، ص، ۳۹۰)

سید صاحب نے ایک مرید کو جنگی سامان دیا اور کہا۔

''جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار رکھو اور شکم سیر ہو کر کھاؤ، ان شاء اللہ کفار کے ساتھ جہاد کریں گے، تم بھی مشق میں مشغول رہو، اس سے بہتر کوئی درویشی اور فقیری نہیں۔'' (حوالہ سابق، ص، ۲۲۹)

سید صاحب ہند میں جہاد کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

''نصاریٰ و مشرکین کے اقتدار کی وجہ سے کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ اور شعائر اسلام کا روز بروز

زوال ہو رہا ہے۔''

نظام خلافت و حکومت کا احیاء اور نفاذ شریعت کی جدوجہد

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

''خلافت کا اثبات اُصول دین میں سے ایک اصل عظیم ہے، جب تک اس اصل کو پوری مظبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں کیا جائے گا، شریعت کے مسائل میں سے کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا۔''(ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء)

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں۔

''جو شخص خلافت راشدہ کی صحت کے اصول کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے اور اُصول دین کے اس اصل کا انکار کرتا ہے وہ حقیقت میں تمام فنون دینیہ کو منہدم کرتا ہے۔''(تاریخ دعوت وعزیمت،ص،۲۵۳)

شاہ صاحب کی مذکورہ بالا فکر کو عوامی مقبولیت تحریک شہیدین کے ذریعے ملی۔ سید صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:

''حقیقت میں یہ مقولہ ''سلطنت و مذہب جڑواں ہیں'' اگرچہ یہ قول، حجت شرعی نہیں لیکن مدعا کے موافق ہے کہ دین کا قیام سلطنت سے ہے اور وہ دینی احکام، جنکا تعلق سلطنت سے ہے، سلطنت نہ ہونے کی وجہ سے صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھوں انکی ذلت ونکبت اور شریعت مقدسہ کے شعائر کی بے حرمتی اور مسلمانوں کے مساجد و معاہد کی جو تخریب ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔''

سید صاحب نے تحریک شہیدین کی قیادت کیوں سنبھالی، اس کی وجہ وہ خود بیان کرتے ہیں۔محمد خان والی پشاور کو خط میں لکھتے ہیں۔''

''میرا اس منصب کے قبول کرنے سے اس کے سوا کوئی مقصود نہیں کہ جہاد کو شرعی طریقہ پر قائم کیا جائے اور مسلمانوں کی فوجوں میں نظم قائم ہو، اس کے سوا کوئی دوسری نفسانی غرض، مثلاً روپیے پیسے کے خزانے یا ملکوں اور شہروں پر تسلط یا حصول سلطنت وریاست یا اہل حکومت و صاحب اقتدار لوگوں کی تذلیل یا اپنے ہمسروں پر اپنے احکام کا اجراء یا اپنے ہم عصروں پر فوقیت وامتیاز قطعاً و بالکلیہ شامل نہیں، بلکہ ایسی بات نہ کبھی زبان پر آئی ہے، نہ کبھی خیال میں گذری ہے،تاج وتخت سکندری کی میرے نزدیک ایک جو کے برابر بھی اہمیت نہیں ہے، کسری وقیصر کی سلطنت کو میں خاطر میں بھی نہیں لاتا،ہاں اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افراد انسانی بلکہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام جنکا نام شرع متین ہے،کسی مخالفت کے بغیر جاری ہو جائیں،خواہ میرے ہاتھ سے خواہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے،پس ہر ترکیب وتدبیر،جو اس مقصد کے حصول کے لیے مفید ہوگی،عمل میں لاؤنگا۔''(سیرت سید احمد شہید،ص،۳۹۳)

تحریک شہیدین ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک تھی جس کے پیش نظر مکمل اسلامی نظام کا قیام تھا۔ آگے چل کر غلبہ دین کی جدوجہد کے لئے جتنی بھی تحریکات برصغیر میں اٹھیں ان سبھی پر تحریک شہیدین کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے۔آج کے پرفتن اور آزمائشوں سے بھرے زمانے میں غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والے افراد کے لیے تحریک شہیدین کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

☼☼☼

حکومت کی خرابی ـــــ تمام خرابیوں کی جڑ

''حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا،اخلاق کا بگڑنا،انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا،کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے بُرے طور طریقوں کا رواج پانا،ظلم وستم اور بدافعالیوں کا پھیلنا اور خلقِ خدا کا تباہ ہونا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اِس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ظاہر ہے کہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور جب خلقِ خدا کا رزق انہی کے تصرّف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے بلکہ بگاڑ کی ہر صورت اُن کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات اُن کے قبضہ میں رہیں گے،کسی چیز کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔''

(سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔خطبات)

گوشۂ خواتین

صحابیات
کا صبر و ثبات جنگ احد کے پس منظر میں

ثمرہ یعقوب فلاحی

غزوہ احد کا غزوات نبوی میں دروس ونصائح کے اعتبار سے نہایت اونچا مقام ہے۔اس جنگ میں جہاں ایک طرف اسلامی لشکر کو سب سے زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑتا ہے تو دوسری طرف اس جنگ سے حاصل ہونے والے دروس نے صحابہ کے اندر سے اس وقت دنیا کی رغبت سے مکمل طور پر آزاد کر دیا۔اس جنگ میں جہاں صحابہ کرامؓ نے شہادت کی لازوال تاریخ رقم کی تو وہیں صحابیات نے بھی صبر و ثبات کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔صحابیات کا یہ اعلیٰ نمونہ قیامت تک اسلامی خواتین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

طبی ضرورت کے تحت اللہ کے رسول ﷺ جنگوں میں ان خواتین کو جانے کی اجازت دیئے تھے جو زخمیوں کی مرہم پٹی کے ساتھ ساتھ ضرورت پڑنے پر دشمنوں کا مقابلہ بھی کرسکیں۔

جنگ احد میں تیر اندازوں کی غلطی کی وجہ سے جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تو افراتفری مچ گئی لیکن افراتفری اور اضطرابی حالت میں خواتین نے اپنی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار نہیں کیا۔ حضرت حمنہ بنت جحشؓ الاسید نے پیاسوں کو پانی پلایا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ام سلیطؓ مشکیزے میں پانی بھر بھر کر لاتیں اور مسلمانوں کی پیاس بجھاتی رہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کے بارے میں مستند ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے پیچھے ہٹنے کے بعد انہوں نے زخمیوں کی خبر گیری کی۔

حضرت ام ایمن ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے جب شکست خوردہ مسلمانوں کو دیکھا کہ مدینے میں گھسنا چاہتے ہیں تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں اور یہ کہنے لگیں کہ یہ سوت کاتنے کا تکلا لو اور ہمیں تلوار دو، اس کے بعد تیزی سے میدان جنگ پہنچیں اور زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔ ان پر حبان بن عرفہ نے تیر چلایا وہ گر پڑیں اور پردہ کھل گیا اس پر اللہ کے اس دشمن نے زور کا قہقہہ لگایا، رسول اللہ پر یہ بات گراں گزری اور آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک بغیر انی کے تیر دے کر فرمایا اسے چلاؤ، حضرت سعد نے چلایا تو وہ تیر حبان کے حلق پر لگا اور وہ چت گرا اور اس کا پردہ کھل گیا اس پر رسول اللہ اس طرح ہنسے کہ جڑ کے دانت دکھائی دینے لگے۔آپؐ نے فرمایا سعدؓ نے ام ایمن کا بدلہ لے لیا۔

جنگ احد میں آپ ﷺ کو کافی زخم آئے تھے۔ پیشانی زخمی ہوئی، کندھا زخمی ہوا، سامنے کے دانت ٹوٹے، اس نازک موقع پر آپ ﷺ کی مرہم پٹی میں حضرت فاطمہؓ نے خصوصی کردار ادا کیا۔

حضرت سہلؓ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا؟ اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ آپ ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا ہی جا رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلا کر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔

صبر و ثبات اور بہادری کی یہ وہ مثالیں ہیں جو جنگ احد میں صحابیات نے پیش کیں لیکن شہداء کی تدفین اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے مدینے کا رخ کیا تو صحابیات کی جانب سے ایمان ومحبت اور صبر و استقامت کے حیرت انگیز واقعات سامنے آئے۔

ان واقعات سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ دین کی محبت سے بڑھ کر ان کے سامنے کوئی چیز نہ تھی اور دین کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے صحابہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی تیار تھیں۔

راستے میں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت حمنہؓ بنت جحش سے ہوئی۔ انہیں ان کے بھائی عبداللہ بن جحش کی شہادت کی خبر دی گئی۔ انہوں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ پھر ان کے ماموں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی شہادت کی خبر دی گئی۔ انہوں نے پھر اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو تڑپ کر چیخ اٹھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت کا شوہر اس کے یہاں ایک خصوصی درجہ رکھتا ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ کا گذر بنو دینار کی ایک خاتون کے پاس سے ہوا جس کے شوہر، بھائی اور والد تینوں نے شہادت پائی تھیں۔ جب انہیں ان لوگوں کی شہادت کی خبر دی گئی تو کہنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: اُم فلاں! حضور ﷺ بخیر ہیں اور بحمد للہ جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں، خاتون نے کہا ذرا مجھے دکھلا دو۔ میں بھی آپ ﷺ کا وجود مبارک دیکھ لوں۔ لوگوں نے اشارے سے بتلایا۔ جب ان کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں ''کل مصیبة بعدک جلل'' آپ ﷺ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔

راستے ہی میں حضرت سعد بن معاذؓ کی ماں آپ ﷺ کے پاس دوڑے ہوئی آئیں۔ اس وقت حضرت سعد بن معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: ''یارسول اللہ ﷺ یہ میری والدہ ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہیں مرحبا کہو'' اس کے بعد ان کے استقبال کے لیے رک گئے۔ جب وہ قریب آگئیں تو آپ ﷺ نے ان کے صاحبزادے عمرو بن معاذؓ کی شہادت پر تعزیتی کلمات کہتے ہوئے انہیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں جب میں نے آپ ﷺ کو بہ سلامت دیکھ لیا تو میرے لیے ہر مصیبت ہیچ ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: ''اے ام سعدؓ تم خوش ہوجاؤ اور شہداء کے گھر والوں کو خوش خبری سنادو کہ ان کے شہداء سب کے سب ایک ساتھ جنت میں ہیں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں ان کی شفاعت قبول کرلی گئی ہے۔

جنگ احد میں ۷۰ صحابہ کی شہادت ہوئی تھی۔ یہ صحابہ کسی خاتون کے شوہر تھے تو کسی کے باپ، کسی کے بھائی تو کسی کے بیٹے، لیکن ان کی شہادت پر مدینہ میں کسی صحابیہ کی طرف سے جزع فزع کرنے کی بات نہیں ملتی بلکہ صبر وثبات کی ایک عظیم تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔

موجودہ دور میں غلبہ دین کی جد و جہد میں مصروف تحریکات کی کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مرد حضرات کے ساتھ ساتھ خواتین اس تحریک کا حصہ نہ بنیں۔ خواتین کی مضبوط دینی تربیت مرد حضرات کے لیے نہ صرف مہمیز کا کام کرتی ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر دشمنان اسلام کو کڑی ٹکر بھی دیتی ہیں۔

☼☼☼

مصائب کے ہجوم میں ایک مومن کا نقطۂ نظر

آفات اور مصائب اور آلام کا خواہ کیسا ہی ہجوم ہو، مومن کو اپنے ایمان اور اللہ کے ساتھ اپنے تعلق پر آنچ نہ آنے دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اِس دنیا میں ہم کو ہر طرح کے حالات میں ڈال کر آزماتا ہے۔ غم بھی آتے ہیں اور خوشیاں بھی آتی ہیں۔ مصیبتیں بھی پڑتی ہیں اور راحتیں بھی میسّر آتی ہیں۔ نقصان بھی ہوتے ہیں اور فائدے بھی پہنچتے ہیں۔ یہ سب آزمائشیں ہیں اور اِن سب سے ہم کو بخیریت گزرنا چاہیے۔ اِس سے بڑھ کر ہماری کوئی بدقسمتی نہیں ہوسکتی کہ ہم مصیبتوں کی آزمائش سے گزرتے ہوئے ایسے مُضطرب ہوجائیں کہ اپنا ایمان اور اعتقاد بھی خراب کر بیٹھیں۔ کیونکہ اس طرح تو ہم دنیا اور دین دونوں ہی کے ٹوٹے (خسارے) میں پڑ جائیں گے۔

(سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ رسائل ومسائل {چہارم})

پرانے زمانے کی عید

ابوالفیض فلاحی

محلے کی مسجد میں عید الفطر کے چاند کا اعلان ہوتے ہی گھر کے سارے بچے صحن میں آ کر شور مچا رہے تھے اور اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے کو مبارکباد بھی دے رہے تھے۔ گھر کے بڑے افراد بہت تیزی سے رمضان المبارک کے گزر جانے پر افسردہ تھے۔ دادی جان بھی خوشی اور غم کے ملے جلے احساس کے ساتھ بچوں کو عید کی مبارکباد دے رہی تھیں۔ گھر کی عورتیں عید کا پکوان تیار کرنے کے لیے باورچی خانہ میں ایک ساتھ جمع ہوگئی تھیں۔ گھر کے باہر بچوں کا شور آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ فوزان جو کئی دفعہ اپنے نئے کپڑے دیکھ چکا تھا ایک بار پھر کمرے میں پہنچ کر بیگ کی تلاشی لے رہا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد دادی جان اپنے ذکر و اذکار سے بھی فارغ ہو چکی تھیں۔ بچے ابھی تک آنگن میں کھیل رہے تھے۔ خنساء نے موقع دیکھ کر دادی سے کہانی سنانے کو کہا۔ خنساء کی آواز پر انہوں نے سر کو جنبش دی اور چونک کر خنساء کی طرف دیکھنے لگیں۔ خنساء نے جب دوبارہ کہانی سنانے کے لیے کہا تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، دادی جان نے کہا ٹھیک ہے۔ سارے بچوں کو جمع کرو۔ خنساء دوڑی دوڑی صحن میں آئی اور سارے بچوں کو لے کر دادی جان کے پاس پہنچی۔ جب سارے بچے آ گئے تو دادی نے کہا: تم سب بتاؤ آج کس طرح کی کہانی سنو گے۔ سارے بچے اپنے مطابق کہانی سنانے کی فرمائش کرنے لگے۔ تھوڑی دیر تک دادی ان کی باتیں خاموشی سے سنتی رہیں پھر پوچھا بچو! امام صاحب کیسا اعلان کر رہے تھے؟ سارے بچے ایک ساتھ بولے کل عید ہے اسی کا اعلان کر رہے تھے۔ دادی نے بچوں سے دوبارہ سوال کیا عید کے دن ہم کیا کیا کرتے ہیں؟ سب ایک ساتھ بول پڑے۔ ہم نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ عید کی نماز کے لیے عیدگاہ جاتے ہیں۔ ڈھیر ساری سوئیاں کھاتے ہیں۔ گھر کے لوگوں سے عیدی لیتے ہیں اور ایک ساتھ مل کر کھیلتے ہیں۔

دادی جان ان کی باتوں پر مسکرائیں پھر پوچھا اس کے علاوہ کیا کرتے ہیں؟ ارشد نے کہا اس کے علاوہ ہم اپنے نانا نانی سے ملنے ننھیال جاتے ہیں۔ دادی کچھ دیر خاموش رہیں پھر بولیں۔ بچو! آج میں تمہیں کوئی کہانی نہیں سناؤں گی بلکہ پرانے زمانے کی عید کے بارے میں بتاؤں گی۔ دادی جان کی اس بات پر سارے بچے خوشی سے اچھلنے لگے۔ فوزان نے دادی کی طرف دیکھتے ہوئے معصومیت سے کہا! آپ جب چھوٹی تھیں تو عید کے دن نہیں کھیلتی تھیں؟ فوزان کی بات پر سارے بچے ہنسنے لگے۔ دادی نے پہلے بچوں کو چپ کرایا پھر عید کے بارے میں بتانے لگیں۔

پیارے بچو! جب میں چھوٹی تھی اس وقت زیادہ تر لوگ ایک ساتھ رہنا پسند کرتے تھے۔ گھر میں جو سب سے بڑا ہوتا تھا گھر کی پوری ذمہ داری اسی

کے کاندھے پر ہوتی تھی۔اس وقت بھی آج ہی کی طرح عید، بقرعید ہوتی تھی لیکن اس کی نوعیت آج کی عید اور بقرعید سے کچھ مختلف تھی۔ پہلے جس کے پاس جو کچھ بھی ہوتا اس سے وہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد عید سے پہلے ہی کر دیتا تھا تا کہ وہ بھی عید کی خوشیوں میں شامل ہو سکے۔ یہی اسلامی طریقہ بھی ہے۔رمضان کے آخری عشرے سے عید کی تیاری شروع ہو جاتی تھی۔ بچوں کو اسی وقت نئے کپڑے اور نئے جوتے ملتے تھے۔عیدی دینے کا رواج عام تھا۔ ہر کوئی اپنے سے چھوٹے کو عیدی دیتا تھا۔ بچے خوشی سے اسے قبول کرتے تھے۔اس وقت لوگ اپنی پرانی رنجشوں کو بھول کر ایک دوسرے سے گلے ملتے تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے دروازے پر پہنچتا تھا۔تحفہ کے لین دین کا رواج عام تھا۔ بچے بھی بلا تکلف دوسروں کے گھروں میں پہنچ جاتے تھے اور سب ہنسی خوشی ایک ساتھ مل کر عید مناتے تھے۔

خنساء نے کہا! دادی جان اب ایسا کیوں نہیں ہوتا۔ دادی نے ایک سرد آہ بھری اور کہا! آج کا زمانہ لوگوں کے کہنے کے مطابق ترقی کا زمانہ ہے۔اس میں پرانی قدروں کے ساتھ ساتھ اسلامی طرز معاشرت بھی ختم ہو رہی ہے۔موبائل نے لوگوں کو اور بھی تنہا کر دیا ہے۔اب تو سالوں سال لوگوں کے درمیان دشمنی باقی رہتی ہے۔ جب کہ ہمارے پیارے آقا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے ۳ دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔صلہ رحمی جو اسلامی معاشرے کی ایک مضبوط کڑی ہے جس کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے تاکید کی ہے۔اب لوگ صرف امیروں سے ملنا جلنا پسند کرتے ہیں۔غریبوں کی باری چناؤ کے دوران یا تصویر کھنچوانے کے وقت آتی ہے۔بس یہی فرق ہے جو پہلے کے زمانے میں نہیں تھا۔اتنا کہہ کر دادی خاموش ہو گئیں اور دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہیں۔اس کے بعد کہا: بچو! آج یہ عہد کرو کہ ہم کل صبح عید کے موقع پر ہر کسی سے ملنے کی کوشش کریں گے۔خاص طور پر اپنے ان دوستوں سے جن سے ایک لمبی مدت سے نہیں مل سکے ہیں اور ان سے بھی جن سے تمہارا کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا الگ سے ثواب دیں گے۔

بچوں نے دادی جان کی باتیں غور سے سنیں اور پرانے زمانے کی عید منانے کا عہد کیا۔

☼☼☼

خالی جگہ پُر کرو

(۱) جنگ بدر اسلام کی.....جنگ ہے۔
(۲) یہ ۱۷ رمضان المبارک کو سن.....ہجری میں.....کے مقام پر لڑی گئی۔
(۳) اس جنگ میں ۳۱۳.....اور.....کافر تھے۔
(۴) کافروں کا سردار ابو جہل اس جنگ میں.....گیا تھا۔
(۵) اس میں کفار کے ۷۰ آدمی.....گئے اور.....آدمی قیدی بنائے گئے تھے۔
(۶) اس جنگ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں.....کہا ہے۔

جواب: (۱) پہلی (۲) ۲ ہجری، بدر (۳) مسلمان اور ۱۰۰۰ کافر (۴) مارا (۵) مارے اور ۷۰ (۶) الفرقان

سوال و جواب

سوال نمبر ۱: رمضان سے پہلے کن ایام کے روزے فرض تھے؟ جواب: عاشورہ کے روزے
سوال نمبر ۲: رمضان المبارک کے روزے کب فرض ہوئے؟ جواب: سن ۲ ہجری میں
سوال نمبر ۳: فتح مکہ کتنے رمضان المبارک کو ہوا؟ جواب: ۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو
سوال نمبر ۴: محمد بن قاسم نے ہندوستان پر کب حملہ کیا؟ جواب: ۱۰ رمضان المبارک کو
سوال نمبر ۵: یوم الفرقان کس دن کو کہتے ہیں؟ جواب: ۱۷ رمضان المبارک کو

☼☼☼

ہو روح پھر اک بار سوارِ بدنِ زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

شرح:

اگر قیامت اس کا نام ہے کہ مرے ہوئے جسموں میں پھر روح داخل کر کے ان کو زندہ کیا جائے گا تو ایسی قیامت سے مجھے کوئی سروکار نہیں، اس کا میں خریدار نہیں کیونکہ مجھے جو لطف قبر کے تاریک خانہ میں روح اور زندگی کے بغیر مل رہا ہے وہ زندہ ہو کر نہیں ملے گا۔ اس کے برعکس یہاں نہ محنت ہے نا ہی احتساب ہے، بس آرام ہی آرام ہے۔ مجھے دوبارہ زندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

شرح:

صدائے غیب ایک قاعدہ، ایک کلیہ، ایک اصول بیان کرتی ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا آزاد لوگوں کی قسمت میں لکھا گیا ہے۔ اگرچہ ہر روح رکھنے والے زندہ آدمی کو ایک نہ ایک دن مر کر قبر کی گود میں جانا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ غلام اس کی گود میں ہمیشہ کے لئے سویا رہے گا لیکن آزاد مر کر پھر جی اٹھے گا۔

صدائے غیب نے نصیب ماروکژدم، نے نصیب دام ودَد
ہے فقط محکوم قوموں کے لئے مرگِ ابد

شرح:

مردہ کی بات سن کر غیب سے آواز آتی ہے کہ اے صد سالہ مردے! تو زندہ نہیں ہونا چاہتا اور ہمیشہ کی موت سونا چاہتا ہے۔ یہ تو سانپ، بچھو، درندے وغیرہ کی بھی قسمت میں نہیں ہے اور تو انسان ہو کر ہمیشگی کی موت سے محبت کر رہا ہے اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے کے عمل سے فرار چاہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تو کسی غلام قوم کا فرد ہے اس لئے دوبارہ زندہ ہونے سے بچ رہا ہے کیونکہ ایسی موت غلام کی ہو سکتی ہے، آزاد قوم کی نہیں۔

آہ، ظالم! تو جہاں میں بندۂ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خاک میری سوز ناک

شرح:

صدائے غیب کو سن کر اور مردے کی دوبارہ زندہ نہ ہونے کی خواہش سن کر قبر چلا اٹھتی ہے کہ اے وہ شخص جو میری گود میں سویا ہوا ہے، تو نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے کہ غلام ہو کر میری آغوش میں آرام کرنے کے لئے آگیا ہے۔ جب سے تو آیا ہے میری مٹی ماتم کر رہی ہے اور صرف اس لئے یہ مرثیہ خواں ہوئی ہے کہ تو زندگی میں غلام تھا اور میں یہ بات سمجھ نہیں پائی تھی۔

بانگِ اسرافیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد

شرح:

غلام کی زندگی بھی موت کے برابر ہوتی ہے۔ اس زندگی میں بھی جسم روح سے خالی ہوتا ہے، ان معنوں میں کہ وہ زندہ ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے جسم و روح پر اس کے آقا کا حکم چلتا ہے۔ وہ ایک زندہ جنازہ ہوتا ہے۔ جس مردہ کی زندگی کی یہ صورت ہو اس کو تو اسرافیل کے صور پھونکنے کی آواز بھی نہیں زندہ کر سکے گی۔

تیری میت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری میت سے زمیں کا پردۂ ناموس چاک

شرح:

تیری نعش سے وہ اندھیرا جو میرے اندر پہلے سے موجود تھا اور بڑھ گیا ہے۔ تیری نعش نے تو زمین کا پردۂ عزت بھی چاک کر دیا ہے۔ تیرے زمین میں آنے سے زمین کی عزت بھی برباد ہو گئی ہے۔

(جاری.....)

☼☼☼

نقش دیوار

صبر کا وسیع مفہوم

صبر ہی اس دعوت کے لئے زاد راہ ہے! یہ طویل اور پرمشقت ہے!گھاٹیوں اور کانٹوں سے پر ہے! لاشوں اور خون کی ندیوں سے پٹی ہوئی ہے! اس میں قدم قدم پر اذیتیں اور آزمائشیں ہیں! صبر بہت سی اشیاء کے سلسلے میں! نفس کے مرغوبات کے خلاف صبر! مفادات دنیا کے خلاف صبر !نفس کے ضعف، نقائص،جلد بازی اور جلد اکتا جانے کے خلاف صبر! لوگوں کی خواہشات، ان کے نقائص، ان کے ضعف، جہل،غلط افکار، طبیعتوں کے بگاڑ، خود غرضی، غرور، کجی اور نتیجہ نکلنے کے سلسلے میں ان کی جلد بازی کے خلاف صبر! باطل کی شیخی،طغیان کی بے حیائی، شر کے پھیل جانے،شہوت کے غلبہ اور غرور و تکبر کی اتراہٹ کے خلاف صبر! معاونین کی قلت، مددگاروں کی کمزوری، راستے کی درازی اور درد و کرب اور تنگی کے اوقات میں شیطان کے وساوس کے خلاف صبر! ان تمام امور کے لئے جد و جہد کی تلخی کے خلاف صبر! اس جد و جہد کے دوران نفس انسانی میں پیدا ہونے والے رنج و الم، غیظ وغضب اور دل کی تنگی کے مختلف و متنوع احساسات و تاثرات کے خلاف صبر! خیر پر اعتماد کی کمزوری،انسانی فطرت سے امید کی کمی اور اکتاہٹ اور مایوسی و ناامیدی کے خلاف صبر! اور اس سب کے بعد طاقت، فتح و نصرت اور غلبہ کے وقت ضبط نفس پر صبر! نیز خوشحالی اور بدحالی، دونوں حالتوں میں اللہ سے تعلق، اس کی مشیت اور تقدیر کے لئے خود سپردگی اور تمام معاملات کو طمانینت، اعتماد اور خشوع کے ساتھ اللہ کے حوالے کردینا- ان سب امور کے سلسلے میں صبر!

سید قطب شہید

NUKUSH - E - RAH

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No : G/Akl Dn/258/2019-21

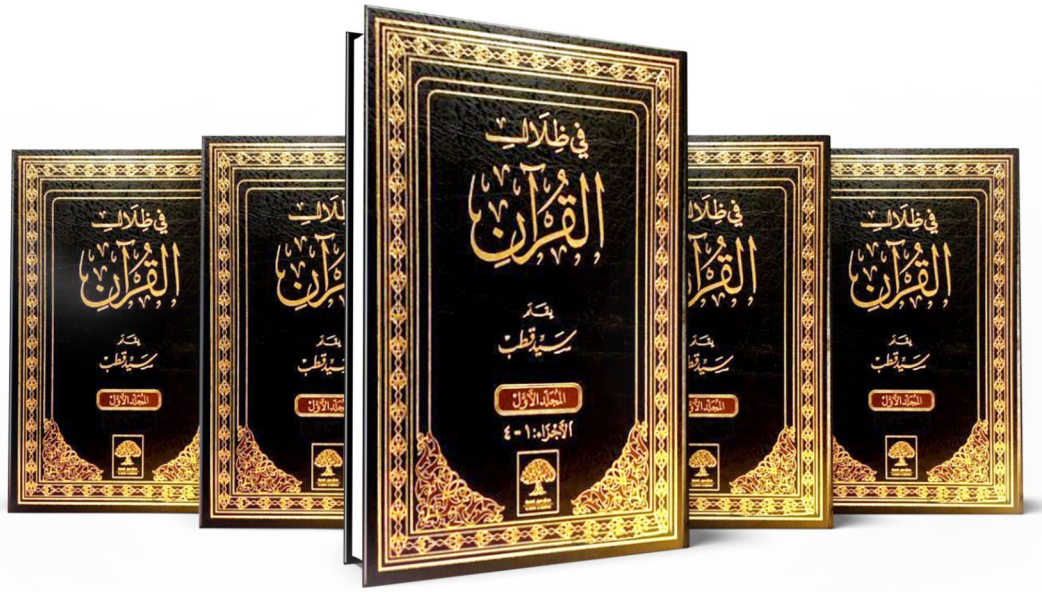

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9599693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com

NUKUSH - E - RAH
1st Floor, Opp. Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola, 44001
0724-243433
nukusherah@gmail.com